حالاتؒ و واقعات شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

بقلم شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ

ماخوذ از آپ بیتی

مقدمہ و نظر ثانی

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم

امیر الہند و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

انتخاب و ترتیب : محمد مصعب عفی عنہ

خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

میرے حضرت مدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات وواقعات شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

بقلم شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

ماخوذ از آپ بیتی

مقدمہ ونظر ثانی

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم

امیر الہند وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

انتخاب وترتیب: محمد مصعب عفی عنہ

خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

تفصیلات

نام رسالہ : میرے حضرت مدنی
ماخوذ از : آپ بیتی
انتخاب وترتیب : محمد مصعب عفی عنہ (خادم دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)
ناشر : مکتبہ علم وفقہ/ دیوبند
اشاعت اول : محرم ۱۴۴۲ھ مطابق اگست ۲۰۲۱ء
صفحات : ۱۱۲

ملنے کا پتہ
دیوبند کے کتب خانوں پر دستیاب ہے

فہرست

حرف اولیں

● قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵ھ/ ۱۴۰۲ھ) آخری دور میں اپنے تمام اکابر و مشائخ کے محبوب، ان کے جانشین وترجمان اوران کی نسبتوں کے جامع تھے،حضرت شیخ کوحق تعالیٰ شانہ نے جہاں اور بہت سے اوصاف و کمالات سے ممتاز فرمایا تھا، وہیں قوت مشاہدہ،لطیف ادراک،زبان وبیان کی قدرت اوراعتدال وتوازن جیسی بیش بہا صفات سے بھی نوازا تھا، یہی وہ صفات ہیں جن کے ذریعہ شخصیت کے اوصاف وکمالات کا صحیح ادراک اور شخصیت کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ،محسوسات و مشاہدات کو منتقل کرنے کی صلاحیت اور نقوش سیرت کو بے کم وکاست نقل کرنے کی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔

● شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا آپس میں محبت ومودت کا تعلق کس سے پوشیدہ ہے؟اورحضرت مدنی کے حوالے سے حضرت شیخ سے زیادہ مستندراوی کون ہوگا؟ یوں بھی حضرت شیخ کی روایات مستند مانی گئی ہیں؛اس لیے کہ آپ کوتاریخی اور تحقیقی ذوق حاصل تھا،آپ کا معمول روزنامچہ لکھنے کا تھا،آپ نے چھیالیس سال روز نامچہ لکھا ہے،جس میں آپ نے اس دوران پیش آنے والے اہم واقعات،سنین وفات اور حوادث اہتمام کے ساتھ قلم بند کیے ہیں۔

(دیکھیے:روزنامچہ شیخ الحدیث:ایک تعارف،بحوالہ ذکرزکریا،ص:۴۶۷)

● حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر مختصر و مفصل بہت سی کتابیں اور

مضامین موجود ہیں ؛ لیکن آپ بیتی میں حضرت شیخ نے حضرت مدنی کے واقعات کا تذکرہ جس منفرد اسلوب اور البیلے انداز میں کیا ہے، اُس نے حضرت شمس تبریز اور مولانا روم رحمہما اللہ کے تعلق خاطر اور جذب ومحبت کی یاد تازہ کردی ہے، حضرت شیخ کی مذکورہ خصوصیات کی بناء پر ان کے قلم سے حضرت مدنی کا یہ تذکرہ:

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

کا مصداق ہے، ان تذکروں سے جہاں حضرت شیخ کا حضرت مدنیؒ کے تئیں کمال ادب واحترام اور جذبہ احترام ومحبت ٹپکتا ہے، وہیں حضرت مدنیؒ کا حضرت شیخ پر شفقت اور شدت تعلق نمایاں نظر آتا ہے، اِن واقعات کے تحت علمی فوائد، تاریخی معلومات، دیگر اکابر کا تذکرہ اور ان کے ٹھیٹھ مزاج و مذاق کا پتہ چلتا ہے اور خاص بات طور پر ان واقعات کو پڑھ کر علم وعمل کے تئیں ایک مخلصانہ جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

● حضرت شیخ الحدیثؒ کی تمنا تھی کہ اکابر دیوبند کے مختصر حالات مستحضر رہیں، تا کہ اکابر سے ہمارا رشتہ قائم رہے، آپ ضمیمہ خوان خلیل (سوانح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مؤلفہ: حضرت تھانویؒ، م) کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

میرے جملہ اکابر کی سوانح عمریاں مختصر ومفصل بہت سی لکھی گئیں ہیں، جن میں ان کے علمی کمالات، عملی ریاضات، معارف وعلوم وحکمت پر مختصر مفصل سب ہی کچھ لکھا گیا، لیکن ان سب کا احاطہ نہ ہوسکتا ہے اور نہ مجھ جیسے ناقص العلم والفہم کے ادراک میں آسکتے ہیں، مگر میرا جی یہ چاہا کرتا ہے کہ ان اکابر کے تاریخی حالات نہایت اجمالی طور پر ضرور دوستوں کو مستحضر رہیں، اس سے دُور اور زمانے کا علم تو ہوتا رہے۔ اسی لیے میں نے اپنے اکابر کا حال جس تذکرہ میں عربی میں یا اردو میں لکھا بہت مختصر لکھا۔

● حضرت شیخ کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سیر وسوانح میں آپ بیتی سب سے دلچسپ اور مبنی برحقائق صنف ہے اور کسی نابغہ شخصیت کی آپ بیتی تمام تر سادگی، جذبہ خمول اور کسر نفسی کے باوصف محض دلچسپ ہی نہیں حکمت آگیں اور سبق آموز بھی ہوا کرتی ہے، آپ بیتی سے مصنف کی شخصیت، اس کے اخلاق وعادات اور نفسیات کے دقیق سے دقیق پہلو بھی بلا حجاب سامنے آجاتے ہیں اور حضرت شیخ مدظلہ کی آپ بیتی صرف آپ بیتی ہی نہیں ؛ بلکہ اپنے اکابر کے حالات وسوانح کا حسین مرقع اور مختصر سا انسائیکلو پیڈیا ہے، جس کے مطالعہ سے نہ صرف دل ودماغ اور قلب ونظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں ؛ بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان ملکوتی صفت اہل اللہ کی محفل علم وعرفان سے مستفیض ہورہا ہے۔(نقد ونظر)

حضرت شیخ اور آپ کے خلیفہ حضرت لدھیانویؒ نے جو کچھ لکھا ہے، آنے والے صفحات اسی جذبے کے پیش نظر نذر قارئین کیے جارہے ہیں، حضرت مدنیؒ کا یہ تذکرہ آپ بیتی سے ماخوذ ہے، یہ واقعات آپ بیتی میں متفرق مقامات پر مذکور تھے، ناچیز نے بس ان کو جمع کردیا ہے اور عنوان لگادیا ہے اور ہر واقعہ کے بعد اصل نسخہ (مطبوعہ کتب خانہ یحیوی، تصحیح شدہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی) کا صفحہ نمبر ڈال دیا ہے۔

● جانشین شیخ الاسلام وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علمائے ہند حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم نے اس رسالہ کو حرف بحرف پڑھ کر نادر واقعات پر مشتمل ایک نہایت قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جس سے رسالہ میں چار چاند لگ گئے، حضرت الاستاد نے آخر میں اکابر کی صحبت اور بالمشافہ ان سے استفادے کے سلسلے میں جو بات تحریر فرمائی ہے، وہ آب زر سے لکھنے اور گرہ لگا کر زندگی بھر اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہنے کے قابل ہے، حضرت نے لکھا ہے:

واقعہ یہ ہے کہ جس آدمی نے ان حضرات کے ساتھ کچھ وقت نہیں گذارا وہ صحیح طور پر

صرف ان واقعات کو سن کر یا پڑھ کر محبت و تعلق کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔اھ

سچ ہے کہ صحبت کا بدل حقیقت میں کوئی چیز نہیں بن سکتی، حضرت امیر الہند اس وقت اکابر کی روایات کے امین اور ان کے ٹھیٹھ مسلک و مشرب کے لیے ایک ڈھال اور بندھن کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت والا نے آخر میں اس سیہ کار کو جو دعا دی ہے کہ اللہ تعالی دنیا میں ان اکابر کی محبت کو آخرت میں ان کی قربت کا سبب بنائے؛ یہ دعا میرے لیے ایک عظیم تحفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان اکابر کی جوتیوں میں اس سیہ کار کو بھی جگہ دے دے تو اس کے لطف و کرم سے کیا بعید ہے۔

● میری زندگی کے رہبر و رہنما، محسن و مربی، نمونہ اسلاف، اکابر دیوبند کے سچے ترجمان، ہر ایک کے حق میں مثالی خیر خواہ، اخلاص وللّٰہیت کے پیکر اور اخلاق حسنہ کا مجسم حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے بھی اس رسالہ پر ایک قیمتی تقریظ تحریر فرمائی ہے جس میں اجمالا پوری آپ بیتی پر شاندار تبصرہ آ گیا ہے، اللہ تعالی صحت و عافیت کے ساتھ آپ کا سایہ تادیر ہمارے اوپر قائم و دائم فرمائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

● استاد محترم حضرت اقدس مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم (استاد حدیث و مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند) خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں، حضرت کے چشمہ فیض سے الحمدللہ بندے کو مادر علمی میں تین سال استفادے کا موقع حاصل ہوا، اللہ تعالی نے ان کو فکر و نظر میں صاف ستھرے ذوق کے ساتھ اکابر کے واقعات و سیر کے حوالے سے وسیع اور گہرا علم عطا فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کے حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ اور نسل نو کی فکری و عملی ذہن سازی اس وقت حضرت کا ایک امتیازی وصف بن چکا ہے، حضرت کی نئی تقریظ اس پر شاہد ہے اور بجائے خود انشاء اللہ ایک رہنما

ثابت ہوگی، اللہ تعالی ان کے فیض کو عام وتام فرمائے، آمین۔

● اِس موقع پر ناچیز حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی دامت برکاتہم استاد حدیث دارالعلوم دیوبند کا بھی بے انتہا ممنون ہے کہ حضرت کے تحقیق کردہ آپ بیتی کے نسخے ہی کو پڑھ کر اس کام کی طرف ذہن متوجہ ہوا تھا، انھوں نے نسخے کے آخر میں نہایت محنت وجانفشانی سے مختلف قسم کی جو مفید فہرستیں بنائی ہیں، ان سے کام میں بہت سہولت حاصل ہوئی۔

● حضرت مولانا مفتی محمد شاہ عالم صاحب میرٹھی اور حضرت مولانا سعید مرغوب صاحب مظفر نگری مدظلہما (استاد مدرسہ معاذ بن جبل، علی گڑھ) کے احسانات ناقابل فراموش ہیں، ہر دو حضرات نے ایک مخصوص تاریخی شہر میں محض علم دین کے خاطر فروکش ہوکر مجھ جیسے سیکڑوں طالبان علوم نبوت کے دلوں میں علم دین کی عظمت روشن فرمائی اور تربیتی پہلو سے اکابر دیوبند کے واقعات جس عقیدت کے ساتھ سناتے رہے، آج اسی کا نتیجہ ہے کہ ان اکابر کے علوم ومعارف کی کچھ خدمت کرنے کی توفیق مل رہی ہے، اللہ تعالی میرے دونوں مشفق استاد کو دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے، بندہ اس خدمت کو ہر دو حضرات ہی کی طرف منسوب کرنا اپنی سعادت تصور کرتا ہے۔

● گرامی قدر جناب ڈاکٹر فیضان بیگ صاحب مدظلہ (پروفیسر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کا بھی ممنون ہوں جن کو اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں پر بیک وقت بہترین قدرت حاصل ہے، وہ ہمیشہ مضمون کی نوک پلک سوارنے میں قیمتی اور نہایت مفید مشوروں سے نوازتے ہیں اور اکابر دیوبند سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالی ان کی عنایات کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

● ڈاکٹر جعفر صاحب خلیل آبادی اور دارالعلوم دیوبند کے تین ہونہار اور محنتی طالب علم عزیزم محمد طلحہ، محمد سفیان اور محمد غفران سلمہم کا بھی بندہ ممنون ہے جنھوں نے

واقعات کی تجمیع اور پروف کی تصحیح میں تعاون کیا، اللہ تعالی قبول فرمائے۔

● آخر میں اپنے مہربان والدین کا شکر اداء کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اس رسالہ کی ترتیب پر ان کو بے حد خوشی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میرے والد محترم ہی نے ایک مشہور عصری تعلیم گاہ سے منسلک رہتے ہوئے ہمارے اکابر کی عظمت و محبت دل میں بٹھائی ہے، اللہ تعالی ان کی فکر و کڑھن کی لاج رکھ کر ان کی امیدوں پر اخلاص کے ساتھ کسی درجہ اترنے کی توفیق عنایت فرمائے اور اس رسالہ کو قبول فرما کر ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

محمد مصعب
خادم دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند
۲۰/محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱/اگست ۲۰۲۱ء

دعائیہ کلمات

حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''آپ بیتی'' اپنی نوعیت کی وہ واحد کتاب ہے جو نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی حالات، تعلیم وتربیت کے مراحل، خاندانی تعارف کے ساتھ اس پوری مدت میں پیش آنے والے ملی وسیاسی واقعات، تحریکات دارالعلوم دیوبند ومظاہرعلوم کے حالات، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ سے لے کر مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمہا اللہ تک کے تمام اکابر اور معاصرین کے دل آویز واقعات پر مشتمل ہے۔

اکابر میں حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت شیخ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہم اللہ کے ذکرِ جمیل کے ساتھ خاص طور پر حضرت شیخ کی زبان میں اکابر ثلاثہ (۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی (۲) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور (۳) چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہم اللہ کے حالات وواقعات اس کتاب میں بہت کثرت سے مذکور ہیں اور یہ

سارے بیانات حضرت شیخ کے ذاتی مشاہدے، ادراک اور احساسات پر مبنی ہیں۔

پیشِ نظر رسالہ اس دائرۃ المعارف کے ایک اہم اور خاص گوشہ کی رونمائی پر مشتمل ہے۔

حالات وواقعات شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے اور نقل وروایت حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے البیلے اندازِ بیان کے ذریعہ۔

اس بہترین انتخاب اور ترتیب پر بندہ عزیزم مفتی محمد مصعب قاسمی کو مبارک باد دیتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول فرمائے اور اس انداز پر دیگر اکابر ومشائخ کے مستند حالات وواقعات کی جمع وترتیب کی توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی

۱۹/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

مقدمہ

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم
امیر الہند وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام میں معتقدات اور عبادات کا بڑا عظیم مرتبہ ہے، عقیدہ صادقہ تو خاص طور پر کسی بھی آسمانی مذہب میں ایسی بنیادی چیز ہے کہ بغیر اس کے دین کا وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا، اس کے بعد عبادات کا مرتبہ اور خاص طور پر نماز کا مرتبہ ایمان کے بعد بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے؛ لیکن اسلام میں خاص طور پر حسنِ معاشرت یعنی انسان کا انسان کے ساتھ رہن سہن اور ان کے حقوق کی بڑی اہمیت ہے؛ اسی لیے قرآن وحدیث میں اس کو بھی بڑی تاکید سے بیان کیا گیا ہے، میں نے اپنی زندگی میں جن چند اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے ان کے یہاں اگر ایک طرف اللہ نے ان کو بہت رعب دیا تھا اور ان کی مجالس بہت سنجیدہ مجلس ہوتی تھی، متوسلین بہت باادب رہا کرتے تھے، تو دوسری طرف وہی مجلس کبھی کبھی بڑی بے تکلفی اور ہنسی مذاق کی بھی ہوتی تھی، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ایک ساتھی کٹھور ضلع میرٹھ کے حکیم اسحاق صاحب دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے، بہت دُبلے پتلے تھے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کا تن وتوش اچھا تھا، جب وہ دیوبند آتے تھے تو اپنے کمر بند میں پانچ روپیے کا نوٹ باندھے رہتے تھے اور حضرت مدنیؒ دار العلوم کے اساتذہ اور اپنے

متوسلین کے سامنے ان کو گرا کر کمر بند سے وہ روپیے نکالا کرتے تھے اور حکیم صاحب ان کو بُرا بھلا کہتے رہتے تھے، یہ پیر بن گئے ہیں، ڈاکو ہیں، لوگوں کے پیسے چھینتے ہیں، سب لوگ ان دونوں کی اس بے تکلفی اور حکیم صاحب مرحوم کی باتوں سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے اور پھر ان پیسوں کی مٹھائی آیا کرتی تھی اور سب لوگ اس سے لطف اندوز ہوتے تھے؛ چونکہ اس زمانہ میں پانچ روپیہ کی بڑی قیمت تھی؛ اس لیے اصلی گھی کی مٹھائی پانچ روپے میں کئی سیر آیا کرتی تھی، مجھے یاد ہے کہ حکیم صاحب کا انتقال ہوا تو ان کے بچوں نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو اطلاع دی، تو حضرت کار سے تشریف لے گئے، میں چھوٹا سا تھا، کار کی سواری کے شوق میں؛ میں بھی باصرار حضرت کے ساتھ ہولیا، مجھے یاد ہے کٹھور میں ایک اَمرود کے باغ میں موصوف کی قبر بن رہی تھی، جنازہ پہنچا تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی، حضرت کے چہرے پر سکوت تھا اور رنج وغم ظاہر ہورہا تھا، تھوڑی دیر میں حضرت مدنیؒ نے زمین پر بیٹھنا چاہا تو ایک صاحب رومال لے کر بچھانے کے لیے دوڑے، تو حضرت نے یہ کہتے ہوئے جھڑک دیا کہ ''کیا میری قبر میں بھی بچھاؤ گے'' تدفین سے فارغ ہوکر اہلِ خانہ کو تعزیت پیش کرنے کے لیے میرٹھ ان کے گھر تشریف لائے، تو چند ہی منٹ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے ایک بڑی پلیٹ میں تازی بالوشاہیاں لے کر آئے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سامنے پیش کیں، تو حضرت نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آج حادثہ کے دن تعزیت پیش کرنے پر اس کا کیا موقع ہے؟ تو حکیم صاحب مرحوم کے صاحبزادے رونے لگے، جب سکون ہوا تو فرمانے لگے کہ کل جب نزع کی حالت شروع ہوئی تو فرمایا کہ میری موت کے بعد حضرت مدنیؒ کو نمازِ جنازہ کے لیے بلانا، میرے تکیہ کے نیچے پانچ روپے رکھے ہیں، حضرت جب گھر تشریف لائیں تو اس کی مٹھائی منگا کر حضرت کی خدمت میں پیش کرنا، میں یہ انھی کے حکم کی تعمیل کررہا

ہوں، لوگوں نے حکیم صاحب مرحوم کی اس محبت اور حسنِ تعلق پر بڑا تعجب کیا، ان حضرات کے اسی طرح کی محبت اور عقیدت و تعلق کی جھلک اس پوری کتاب میں آپ کو جگہ جگہ نظر آئے گی۔

باوجودیکہ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ حضرت رائے پوری اور حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہم اللہ سے عمر میں بزرگ تھے، ان حضرات میں جو بے تکلفی، محبت اور تعلق تھا اس کی نظیر نہیں ملتی...... میں نے دیکھا ہے کہ جب حضرت مدنی رحمہ اللہ کا رمضان کے قریب ٹانڈہ ضلع فیض آباد کا سفر اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہوا کرتا تھا، تو سہارنپور اسٹیشن پر لوگوں کی بھیڑ ہو جاتی تھی اور مذکورہ دونوں مشائخ بھی موجود رہتے تھے، حضرت رائے پوری رحمہ اللہ اس وقت پیدل چلتے تھے؛ لیکن دونوں طرف ایک ایک آدمی کے کاندھے پر سہارا لے کر چلتے تھے؛ چونکہ سہارنپور جنکشن تھا؛ اس لیے وہاں کوئلے کا انجن بدلا جاتا تھا (اس زمانہ میں بجلی اور ڈیزل کے انجن نہیں ہوتے تھے) اس انجن کی رفتار ابتدا میں بہت سست ہوتی تھی، حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی اپنے دونوں معاونین کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ جب تک حضرت مدنی کے ساتھ ساتھ چلنا ممکن ہو مجھے لے کر چلتے رہو، حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی گاڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر بار بار رُکنے کی ہدایت کرتے رہتے تھے؛ لیکن حضرت رائے پوری رحمہ اللہ اور ساتھ میں متعلقین بھی چلتے رہتے تھے، یہاں تک کہ گاڑی رفتار پکڑ لیتی تھی، تب رُک جاتے تھے، غالباً اسی تعلق کی وجہ سے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا آخری سفر بھی علالت کے باوجود رائے پور ہی کا ہوا تھا۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ سال میں ایک مرتبہ ضلع مظفر نگر میں ''جلال آباد لوہاری'' کا سفر کیا کرتے تھے، اس قصبہ میں ایک صاحب حضرت مدنی کے مرید ''بندو خان صاحب مرحوم'' پُرانے زمیں دار تھے، ان کے یہاں قیام ہوتا تھا، یہاں ایک مسجد

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے شیخ طریقت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور مسجد کے برابر میں حضرت میاں جی صاحب رحمہ اللہ کا کمرہ بھی ہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ عصر سے مغرب تک اسی کمرہ میں مراقب رہتے تھے؛ بلکہ اپنے بعض متوسلین کو جو سلوک کے آخری مراحل میں ہوتے تھے، چلّہ گزارنے کے لیے وہاں بھیجتے تھے، جن کو اس کمرہ میں ہمہ وقت مراقبہ کی تلقین ہوتی تھی؛ چونکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا یہ سفر پہلے سے طے شدہ کسی پروگرام کے بغیر ہوتا تھا؛ اس لیے اس کا علم صرف بندو خان صاحب ہی کو پہلے سے ہوتا تھا؛ لیکن حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہما اللہ کی ان کو شدید تاکید تھی کہ جب حضرت مدنیؒ کا پروگرام بنا کرے تو ہمیں ضرور اطلاع کیا کریں؛ چنانچہ یہ دونوں حضرات بھی عصر کے بعد حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ اس مبارک نشست میں شریک رہا کرتے تھے۔

حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے بعد میں بارہا حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں سہارنپور اور مدینہ منورہ میں حاضر ہوا ہوں، جب بھی کسی مناسبت سے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ذکر آجاتا تھا تو بے خود ہوکر رونے لگتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ جس آدمی نے ان حضرات کے ساتھ کچھ وقت نہیں گزارا، وہ صحیح طور پر صرف واقعات کو سن کر یا پڑھ کر محبت اور تعلق کا اندازہ نہیں لگا سکتا، پھر بھی حضرت شیخ کی ''آپ بیتی'' پڑھ کر کسی نہ کسی حد تک ان اکابر کا تعلق حضرت مدنی رحمہ اللہ کی شفقت اور ان دونوں مشائخ کی حضرت مدنی رحمہ اللہ سے عقیدت برابر سامنے آتی رہے گی۔

عزیز گرامی قدر مفتی محمد مصعب صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی ''آپ بیتی'' کا ایک ایک ورق پڑھ کر حضرت مدنی رحمہ اللہ سے متعلق واقعات

کو بڑے سلیقہ سے الگ کر کے ایک کتابچہ کی شکل میں پیش کیا ہے، جو پڑھنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگا، راقم الحروف دعا گو ہے کہ اللہ موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور دنیا میں ان اکابر سے محبت کو آخرت میں ان کی قربت کا سبب بنائے۔(آمین)

ارشد مدنی

۷/جولائی ۲۱ء

تقریظ

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاد حدیث وو مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''میرے حضرت مدنیؒ'' کے نام سے، اخلاص محبت کے حسین پھولوں کا جو گل دستہ آپ کے سامنے ہے یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس اللہ سرہ کی ''آپ بیتی'' کے اُن اقتباسات کا مجموعہ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ سے متعلق ہیں، یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی آپ بیتی ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں حضرات اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے حالات وواقعات اور افکار وخیالات کا بے مثال ذخیرہ محفوظ ہے، جس کو پڑھ کر آدمی حضراتِ اکابر دیوبندؒ کے عمومی ذوق ومزاج سے واقف ہوجاتا ہے، ساتھ ہی دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی تاریخ بھی بڑی حد تک اس کے سامنے آجاتی ہے۔

آپ بیتی کی سب سے بڑی خصوصیت، حضراتِ اکابر دیوبندؒ کا ایسا صاف ستھرا، سیدھا سچا تذکرہ ہے جس سے اُن کا مذاق ومزاج کھل کر سامنے آجاتا ہے، اس میدان میں حضرت شیخ کی انفرادیت کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے اُن کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کی گود میں کھیلنے سے لے کر حضرت مدنیؒ وحضرت رائے پوریؒ تک تمام ہی اکابر سے قریب ترین تعلق واستفادہ اور خصوصی اعتماد کی سعادت حاصل رہی، ان تمام

ہی اکابر کے تذکرے میں محبت وواقعیت کا ایسا حسین امتزاج ہے جو آپ بیتی کی خصوصیت بن گیا ہے؛ لیکن آپ بیتی پڑھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ جس والہانہ اور بے تکلف مگر عقیدت ومحبت اور احترام سے بھر پور تعلق کا اظہار حضرت رائے پوریؒ اور حضرت مدنی رحمہا اللہ کے واقعات سے ہوتا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ سے حضرت شیخ الحدیثؒ کا تعلق تو اس وقت سے تھا جب حضرت شیخ کا بچپن تھا، پھر یہ تعلق مستحکم ہوتا چلا گیا تا آں کہ حضرت شیخ الاسلامؒ دارالعلوم دیو بند تشریف لے آئے، حضرت شیخ مظاہر علوم میں تھے ہی، اس طرح اس تعلق کے ظہور کے مواقع بڑھ گئے اور ملاقات کثرت سے ہونے لگی، جس کے واقعات اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب ہے کہ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیو بند کے بعد فکر دیو بند کا دوسرا بڑا مرکز ہے؛ بلکہ یہ دونوں ادارے فکر ونظر اور عقیدہ ومسلک میں اس درجہ متحد ہیں کہ ان کو فکر دیو بند کے جڑواں مراکز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، ان میں جو کچھ فرق ہے وہ انتظامی اور اجتماعی امور سے متعلق ذوق کا فرق ہے، باقی ہر طرح یہ ایک ہیں، اور یہ دونوں حضرات (حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ) ان دونوں اداروں کے تمام اکابر کی وراثتوں کے امین اور کامل ترین نمائندے ہیں، ان کی شخصیات میں اسلاف واکابر کے علم وعمل کی خوشبوئیں عطر مجموعہ کی طرح پیوست ہوگئی تھیں، اگر کوئی شخص گلشن اسلاف کے ایسے ''گل تر'' کی نشان دہی چاہے، جس پر بہار کی ہزاروں فصلیں قربان کی جاسکیں تو بڑی آسانی اور اعتماد کے ساتھ حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں۔

برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید مجدہ، مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے آپ بیتی سے ان متفرق واقعات کو یک جا کر کے استفادہ آسان

کر دیا اور ایک اچھا کام یہ کیا کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، بعینہٖ حضرت شیخؒ کی تحریرات کو جمع کر دیا۔ امید ہے کہ اس طرح نئی نسل میں ان حضرات کے حالات اور ذوق ومزاج سے واقف ہونے کا جذبہ ابھرے گا۔

جی چاہتا ہے کہ اس مناسبت سے اپنے نئے فضلاء اور طلبۂ مدارس سے یہ التماس بھی کرلیا جائے کہ وہ اپنے اکابر کے حالات گہرائی سے پڑھنے کی کوشش کریں تاکہ اُن کو اندازہ ہو کہ زمانہ پر اثر ڈالنے والی شخصیات کیسی ہوتی ہیں؛ اور اس طرح اُن کے کردار وعمل اور فکر ونظر میں گہرائی، گیرائی اور پختگی پیدا ہو کہ یہی اس قسم کی کتابوں کے اصلی سوغات ہے اور یہی ہمارے فضلاء کی اس وقت سب سے بڑی ضرورت بھی ہے ع

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

اللہ رب العزت اس کتاب کو ہم سب کے لیے نافع بنائے اور مرتب موصوف کے تمام علمی کاموں کو قبول عام عطا کرے۔ آمین

والسلام
محمد سلمان غفرلہ
۸/محرم ۱۴۴۳ھ
۱۸/اگست ۲۰۲۱ء

حضرت شیخ کا حضرت مدنی سے ابتدائی تعارف

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کو اِس ناکارہ پر شفقت ومحبت اس وقت سے ہے جبکہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲؍سال سے بھی کم تھی۔ ۲۷ھ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ نے تقریباً دوماہ قیام گنگوہ شریف کیا اور مسلسل روزے رکھا کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ حضرت عصر کی نماز خانقاہ کی مسجد میں پڑھا کر سیدھے حضرت قطب عالم کے مزار پر تشریف لے جاتے، مغرب تک وہاں مراقب رہتے اور غروب سے پانچ سات منٹ پہلے اٹھتے اور ہمارا گھر خانقاہ کے راستہ میں تھا۔ میری والدہ مرحومہ کئی نوع کی افطاری پھلکیاں وغیرہ تیار کر کے رکھتیں اور ایک دسترخوان چارپائی پر بچھا کر اس پر آٹھ دس طرح کی افطاریاں رکھ دیتیں، اور میں باہر کے دروازہ پر کھڑا ہوجاتا اور جب دُور سے حضرت مدنیؒ کو آتا دیکھتا، بھاگ کر اپنی والدہ سے کہتا کہ آگئے آگئے وہ جلدی سے پردے میں ہوجاتیں۔ اتنے حضرت دروازے تک پہونچ جاتے اور میں دروازے سے ’’آجاؤ، تشریف لے آؤ‘‘ کا شور مچاتا۔ حضرت اندر تشریف لاتے، بہت اطمینان سے افطار فرماتے۔ اسی قانون کے تحت جو میں اپنے والد صاحب کے افطار کا حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے حال میں لکھوا چکا ہوں، خوب اطمینان سے افطار فرمانے کے بعد پانی وغیرہ پینے کے بعد ہاتھ دھوکر کلی کر کے خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھاتے کہ اس زمانے میں مستقل امام وہی تھے، خانقاہ میں پہونچ کر ایک لوٹے سے پانی کے دوگھونٹ پی کر گویا افطار کر کے مصلّے پر پہونچ جاتے، یہ حقیقت میں تو یہ تھا کہ حضرت

مدنی حضرت صاحبزادے صاحب حکیم مسعود احمد صاحب کے مستقل مہمان تھے اور حکیم صاحب کے لیے یہ چیز موجبِ گرانی تھی کہ وہ کہیں دوسری جگہ افطار کریں۔ یہی وہ دَور ہے جس کے متعلق باب دوم میں ''مدینہ'' کے ایڈیٹر کو حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ میں اس وقت سے واقف ہوں جبکہ اس کی عمر ۱۲؍ برس کی تھی، اس کے بعد سے تو پھر جب بھی ملاقات ہوتی، شفقتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ (ص: ۳۹۳، ۳۹۴)

میں نے سوچا کہ دو گھنٹہ تم سے مل لوں گا

اخیر زمانے کا حال تو میں پہلے لکھوا چکا ہوں کہ دیوبند سے روڑکی اور پنجاب یا چھوٹی لائن پر جانے آنے میں اگر ایک گھنٹے کا بھی فرق ہوتا تو واپسی کا تانگہ لے کر مکان تک تشریف لاتے اور ان ہی شفقتوں نے مجھے اپنے دوا کابر حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری ثانی قدس سرہما کی شان میں بہت ہی گستاخ بنا دیا تھا، اللہ تعالیٰ ہی معاف فرماوے، ان دونوں اکابر کا اس سیہ کار کے ساتھ تعلق اور اس ناکارہ کا ان دونوں بزرگوں کے ساتھ گستاخانہ برتاؤ دیکھنے والے ابھی تک ہزاروں موجود ہیں تقسیم سے پہلے جو آخری حج حضرت مدنی قدس سرہٗ کا ہوا تو بندہ کے نام تار آیا کہ میں فلاں تاریخ کو فرنٹیر سے پہونچوں گا، میری ایک عادت ہمیشہ مستقل اور دائمی یہ رہی جو اب نہیں ہے کہ نہ سونا تو میرے قبضے کی چیز تھی، دو تین رات مسلسل نہ سونا آسان تھا؛ لیکن سونے کے بعد اُٹھنا میرے بس کا نہیں تھا۔ بچپن میں میری والدہ مرحومہ رمضان میں سحری کے لیے انتہائی مشفقت سے اٹھاتیں؛ مگر میں نہیں اٹھتا تھا، وہ بٹھا کر بڑی مشکل سے دو چار لقمے سحری کے کھلاتیں، جن کا کھانا مجھے بالکل یاد نہیں ہوتا تھا؛ البتہ صبح کو اس چیز کا ذائقہ ہوتا جو سحری میں کھاتا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جوانی کے زمانے میں والدین کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ رات کو بارش ہوئی، گرمی کا

زمانہ تھا، میں باہر سورہا تھا بالکل پتہ نہیں چلا، صبح کو اٹھنے کے بعد دیکھا تو ساری چارپائی، بستر سارا بھیگ رہا تھا اور میں بھی بھیگ رہا تھا، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۳۸ھ کے حج میں شریف مرحوم کے زمانے میں جبکہ غارت ولوٹ مار کی کثرت کی وجہ سے مدنی قافلے معروف راستے پر سے نہیں جاسکتے تھے، اوّلاً سمندر کے کنارے اور آخراً جبلِ غائر کو جاتے تھے اسی راستہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا سفر فرمایا تھا، اس میں پہاڑ کی چڑھائی کی وجہ سے آخری تین منزلوں میں شُغدُف شِبری وغیرہ کچھ نہیں جاسکتے تھے۔ اونٹ کی خالی پشتوں پر حجاج رات کو چلتے؛ لیکن گرنے کے خوف سے اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتے تھے اور چونکہ کوئی سایہ کا سامان شغدف وغیرہ نہیں تھا، علی الصباح آفتاب نکل آتا تھا اور کوئی درخت وغیرہ بھی آس پاس نہیں ہوتا تھا؛ لیکن یہ ناکارہ مدینہ جاتے ہوئے بھی اور اسی طرح واپسی میں احرام کی حالت میں ننگے بدن صرف ٹانگوں میں ایک لنگی اسی ریت پر ہندی بارہ بجے تک سوتا۔ جب اٹھتا تو میرے نیچے کا ریت پسینے کی کثرت سے ایسا ٹھنڈا اور بھیگا ہوا ہوتا کہ جیسا کسی نے پانی کا گھڑا ڈال رکھا ہو اور گرمی کی شدت کی وجہ سے سارے رفقاء کے منہ سرخ ہوتے اور وہ مجھ پر خوب خفا ہوتے کہ دھوپ سے بھی تیری آنکھ نہیں کھلتی۔ بہرحال چونکہ سوکر اٹھنا میرے بس کا نہیں ہوتا تھا؛ اس لیے جب مجھے اخیر شب میں کہیں جانا، یا حضرت مدنی قدس سرہٗ کی آمد کا کہیں سے تار آیا ہوا ہوتا (کہ حضرت کے علاوہ اور کسی کے لیے تو میں اسٹیشن پر نہیں جاتا تھا) تو میرا دستور یہ تھا کہ میں عشاء کے بعد سے اپنے لکھنے کا کام شروع کردیتا اور اسٹیشن جانے تک بہت سہولت اور انہماک سے لکھتا رہتا؛ چونکہ حضرت قدس سرہٗ کا تار کراچی سے فرنٹیر سے پہنچنے کا تھا اور وہ صبح کے چار بجے اسٹیشن پر آتا تھا، میں بہت اطمینان سے اُوپر بیٹھا لکھ رہا تھا کہ ۱۲؍بجے کے قریب میرے زینے پر نہایت شدت سے زور زور سے پاؤں مار کر کسی کے چڑھنے

کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا تو حضرت شیخ الاسلام صاحب میرے کمرے پر پہونچ گئے۔ میں ایک دم اُٹھا اور اپنی حماقت سے گستاخانہ لفظ کہا کہ مشائخ حدیث، مشائخِ سلوک حج سے آتے ہوئے بھی تو جھوٹ اور دھوکہ دہی سے احتراز نہیں فرماتے۔ یہ فرنٹیر کا وقت ہے؟ اور یہ کہہ کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ حضرت ایک دم چمٹ گئے اور خوب معانقہ فرمایا، جس کی لذت اب تک یاد ہے، حضرت قدس سرہٗ نے (اللہ تعالیٰ بہت بلند درجات عطا فرمائے، اور حضرتین مولانا مدنی ورائے پوری کی شفقتوں کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے) یہ ارشاد فرمایا کہ جب کراچی میل لاہور پہونچا تو کسی نے یہ کہا کہ کلکتہ میل سامنے چھوٹ رہا ہے وہ دو گھنٹہ لیٹ تھا، میں چھڑی اور مشلح ہاتھ میں لے کر چلتی گاڑی میں کلکتہ میل میں سوار ہو گیا، ساتھیوں کو بھی ایک دو کے سوا (جن کو میں لاہور کے اسٹیشن پر ریل سے اُترتے ہوئے کہہ کر آیا کہ میں سہارنپور اسٹیشن پر ملوں گا) کسی کو خبر نہیں ہے، مستورات اور سارا سامان فرنٹیر سے آرہا ہے، میں نے سوچا کہ دو گھنٹہ تم سے مل لوں گا۔ یہ فرما کر ارشاد فرمایا چلو جولاہے کو اٹھاویں، قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے منجھلے نواسے جناب حافظ محمد یوسف صاحب مرحوم انصاری گنگوہی ممبر شوریٰ دارالعلوم دیوبند انگریزی دَور میں سرکاری ملازم تھے، بہت اونچی تنخواہ اور افسران کی نگاہ میں بہت باعزت وباوقار سرکاری حیثیت سے بہت ہی امتیازی شخصیت وشان رکھتے تھے، ترکِ موالات کے زمانہ میں سرکاری ملازمت سے استعفاء دے کر سہارنپور میں مستقل قیام کرلیا تھا اور یہاں کھدر کے بننے کی کھڈیاں کئی ایک لگالی تھیں، اس وقت سے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے یہاں ان کا لقب جولاہہ پڑ گیا تھا ع

لگتی ہیں گالیاں بھی منہ سے ترے بھلی

میں نے کہا کہ ضرور چلیے۔ میں یہ کہہ کر لیمپ گل کر کے ساتھ ہولیا، اور زینے

سے اُترتے وقت میں نے پوچھا کہ اور چائے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ضرور، نصیر سے کہہ دو کہ بنا کر وہیں لے آئے۔ نصیر اپنے مکان میں سو رہا تھا، میں نے جلدی سے اس کو آواز دے کر جگایا اور کہا کہ حضرت تشریف لے آئے، دو کیتلی (چائدان) چائے کی ایک بہت بڑی ہلکی چائے کی اور ایک چھوٹی تیز چائے کی بنا کر حافظ یوسف صاحب کے یہاں جلدی لے آؤ۔ وہاں پہنچے تو وہ مرحوم سو رہے تھے، کئی آوازوں میں بیدار ہوئے اور اُٹھ کر گھڑی دیکھ کر آنکھیں ملتے ہوئے آئے اور کہا کہ میری گھڑی میں تو ابھی بارہ ہی بجے ہیں، گھڑی بند ہوگئی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بےفکری سے سو رہے ہیں اور ایک ہم ہیں ع

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں

میں نے عرض کیا کہ اب بھی کچھ پوچھنے میں کسر رہ گئی۔ مشرق، مغرب، ہند و عرب تو پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، وہاں بیٹھ کر حافظ یوسف صاحب سے وہی بیان فرمایا کہ کلکتہ میل لیٹ تھا، میں نے سوچا کہ دو گھنٹہ دوستوں سے مل لیں گے، اتنے میں مولوی نصیر الدین چائے لے آئے، اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر دے۔ اطمینان سے چائے پی، سفر کے حالات حضرت سناتے رہے، ڈھائی بجے کے قریب حافظ یوسف صاحب کو تقاضا کیا کہ آپ اسٹیشن نہ جائیں اور مجھ سے فرمایا کہ چلو اسٹیشن۔ میں نے کہا کہ میں تو بغیر حکم کے بھی چلوں گا۔ جب ہی اسٹیشن کے لیے تانگہ منگایا اور پونے تین بجے کے قریب اسٹیشن پہونچ گئے، وہاں سو ڈیڑھ سو کا مجمع جمع ہو چکا تھا، حضرت تانگہ سے اُترے اور وہاں کہرام مچ گیا کوئی کہے کہ حضرت تشریف لے آئے اور کوئی دُور سے کہتا ہے کہ بالکل جھوٹ ابھی تو گاڑی میں سوا گھنٹہ ہے اور کسی نے کہا کہ گاڑی کہاں کو آگئی ہم نے تو دیکھی نہیں۔ حضرت مشلح اوڑھے چھڑی ہاتھ میں لے کر نہایت وقار سے ہر شخص سے فرما رہے تھے کہ آپ اگر مجھے پہچانتے

ہیں اور میں حسین احمد ہوں تو مل لیجیے، بہت اطمینان سے لوگوں سے مصافحے کیے، اتنے میں فرنٹیر میل آ گیا؛ چونکہ وہ دیوبند نہیں ٹھہرتا؛ اس لیے سارا سامان جو حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے سفر میں خوب ہوا کرتا تھا اور اس مرتبہ تو حج سے تشریف لا رہے تھے وہ سارا سامان سہارنپور کے اسٹیشن پر اُتار دیا گیا اور جب ہی ساڑھے چار پر پسنجر جاتا تھا اس میں رکھا گیا، بہت ہی بھاگ دوڑ ہوئی؛ مگر حضرت قدس سرہٗ کو سامان کی کثرت سے کبھی فکر نہ ہوتی تھی، اور میں حضرت کے سامان کو دیکھ کر ہمیشہ سہم جاتا تھا کہ اتنا سامان کس طرح جائے گا۔ چھ بجے کے قریب حضرت قدس سرہٗ دیوبند پہنچے اور آٹھ بجے بخاری کا سبق پڑھایا اور اس سیہ کار کو جب کہیں سفر درپیش ہو تو تین دن پہلے بلکہ ایک ہفتہ پہلے سے اس کے سہم میں بخار ہو جاتا ہے اور دس دن بعد تک تکان اور بخار رہتا ہے۔ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کُجاست تا بہ کُجا

میرے حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کہیں جانا ہوتا تو بہت اطمینان سے بذل لکھواتے رہتے، اور جب حاجی مقبول صاحب سامان بندھوا کر تانگہ پر رکھ کر یہ اطلاع دیتے کہ تانگہ آ گیا تو حضرت نہایت اطمینان سے لکھواتے ہوئے اٹھتے اور گھر کے دروازے پر کھڑے کھڑے جاتے اور پھر تانگہ میں بیٹھ جاتے۔ میرا تو اپنے بزرگوں کے قصے لکھوانے کو بہت جی چاہتا ہے خواہ کسی کو پسند آویں یا نہ آویں مجھے تو بہت مزہ آتا ہے اور حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری ثانی کی تو اتنی شفقتیں ہیں کہ بڑے بڑے دفتروں میں بھی نہیں آ سکتیں۔ (ص: ۳۹۴ تا ۳۹۸)

اگر کھانا کھا لیتے تو تمھارے یہاں کیوں آتے

ایک مرتبہ دوپہر کا وقت گرمیوں کا زمانہ ایک بجے دوپہر کو میں اپنے گھر کے

دروازے میں سویا کرتا تھا؛ کیونکہ بجلی پنکھے کا دَور نہیں شروع ہوا تھا۔ میں سونے کے لیے لیٹا، سرہانے کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا تو حضرت قدس سرہٗ کھڑے ہیں۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور پہلا سوال یہ کیا کہ حضرت کھانا؟ ارشاد فرمایا کہ اگر کھانا کھا لیتے تو تمہارے یہاں کیوں آتے؟ حضرت کے پیچھے پیچھے علامہ ابراہیم مرحوم اور ان کے پیچھے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مبارک علی صاحب مرحوم اور یکے بعد دیگرے ایک لائن لمبی تھی جن کو میں نے اس وقت شمار بھی نہ کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بارہ تھے۔ حضرت قدس سرہٗ تو کچے گھر میں آ گئے اور پیچھے پیچھے جملہ رفقاء اور میں ننگے پاؤں اندر گیا اور اپنی بچیوں سے پوچھا کہ حضرت کئی آدمیوں کے ساتھ ہیں کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہ روٹی کا کوئی ٹکڑا اور نہ کچھ سالن جس کی وجہ یہ تھی کہ کھانے کے وقت بے اطلاع آٹھ دس مہمان عین وقت پر پہونچے تھے؛ اس لیے کچھ نہیں رہا تھا؛ بلکہ بچیوں نے بھی آدھی بھوک کھائی تھی۔ اللہ جل شانہٗ ہر دو میری بیویوں اور سب بچیوں کو بہت ہی جزائے خیر دے، مہمانوں کے سلسلہ میں ان سے بہت ہی راحت پہونچی ہے۔ تیس چالیس مہمانوں کا کھانا آدھ پون گھنٹے میں تیار کر دینا ان کے یہاں بہت ہی معمولی بات رہی، بشرطیکہ گھر پر کئی ہوں، میں نے ان سے کہا کہ جلدی سے ایک آٹا گوندھے اور ایک جلدی سے دیگچی میں مصالحہ بھونے اور میں باہر ننگے پاؤں گیا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی کرامت کہ سڑک پر پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا قدیمی قصاب صوفی کرم الٰہی جو ہمیشہ سے میرے یہاں گوشت لاتا ہے اور مجھے بھی اس سے محبت و تعلق ہے، اس کے سوا کسی کا گوشت پسند نہیں آتا، بہت آہستہ آہستہ بہت دُور سے آ رہا ہے، میں ننگے پاؤں اس کی طرف بھاگا اور اس کو آواز دی کہ جلدی آ۔ وہ جلدی سے آیا۔ میرے سوال پر اس نے کہا کہ گوشت بھی ہے اور قیمہ بھی ہے۔ میں نے کہا کہ قیمہ مجھے دے اور جلدی سے دونوں ہاتھوں میں سارا قیمہ جو تین سیر کے

قریب ہوگا لے کر گھر پہنچا تو دونوں چولہوں میں آگ جل چکی تھی۔ایک پر توا رکھا تھا اور ایک پر مصالحہ بُھن رہا تھا، میں نے جلدی سے وہ گوشت مصالحہ میں ڈال کر کہا کہ جلدی سے پکاؤ اور دو بچیوں سے کہا کہ توے پر بیٹھو، ایک پیڑے بنا کر روٹی بنائے اور دوسری توے پر سینکے، وہ بجائے دو کے تین بیٹھ گئیں، ایک گوشت بھون رہی تھی اور اس وقت چار ہی گھر میں تھیں اور میں نے باہر آ کر شور مچایا کہ بھائی کسی نے دسترخوان نہیں بچھایا، ارے بھائی دسترخوان بچھاؤ اور ہاتھ دھلاؤ۔حضرت قدس سرہٗ سمجھے کہ کھانا تیار رکھا ہوگا، سب کے ہاتھ دھلائے اور ترتیب سے بیٹھنے اور دسترخوان بچھانے میں دو تین منٹ لگ گئے، میں اندر گیا تو دس بارہ روٹی تیار ہو چکی تھیں اور قیمہ بھی نیم برشت ہو چکا تھا۔میں اطمینان سے تین رکابی میں قیمہ لایا اور تین جگہ روٹیاں رکھیں۔ایک دم حضرت قدس سرہٗ کو خیال ہوا کہ پہلے کا کچھ نہیں، حال ہی کا پکا ہوا ہے۔حضرت کو تو تعجب نہیں ہوا کہ بارہا حضرت کو سابقہ پڑ چکا تھا؛ لیکن علامہ ابراہیم مرحوم جو فن معقول کے مشہور امام تھے فرمانے لگے کہ کیا آپ کو ہمارے آنے کا پہلے سے علم تھا یا آپ کو کشف ہوگیا تھا۔ میں نے کہا کہ جناب کے یہاں بیٹھنے کے بعد یہ گوشت قصاب کے یہاں سے خریدا گیا ہے۔فرمانے لگے کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ میں نے کہا کہ ہر بات معقول نہیں ہوتی، کچھ عقول سے بالاتر بھی ہوتی ہیں، حضرت مدنی نے علامہ سے فرمایا کہ مناظرہ نہ کرو جلدی سے کھالو، دیر ہو رہی ہے، ان کے یہاں تو یہ قصّے چلتے ہی رہتے ہیں، اور پھر مجھ سے فرمایا کہ ان میں سے میرے ساتھ کوئی نہیں۔(ص:۲۹۸،۲۹۹)

مجھے ابّا جی کی ضرورت نہیں ہے کھانے کی ضرورت ہے

میرے حضرت مدنی قدس سرہٗ نور اللہ مرقدہٗ کے صرف کھانے ہی کے مد میں اگر شفقتیں اور واقعات گنواؤں تو ان کا احاطہ بھی بہت دشوار ہے۔بارہا اس کی نوبت آئی

کہ حضرت تشریف لائے اور میں دارالطلبہ سبق میں تھا حضرت نے دروازے پر کسی بچے کو آواز دے کر ارشاد فرمایا کہ حسین احمد کا سلام کہہ دو اور کہہ دو کہ جو کھانے کو رکھا ہے جلدی بھیج دو۔ گاڑی کا وقت قریب ہے اور جب اندر سے بچیوں کی یہ آواز سنتے کہ ابا جی کو جلدی سے مدرسہ سے بلالاؤ تو حضرت للکار کر فرماتے کہ مجھے ابّا جی کی ضرورت نہیں ہے کھانے کی ضرورت ہے، ہوتو بھجوادو؛ ورنہ میں جارہا ہوں۔

کئی دفعہ اس کی نوبت آئی کہ میرے دارالطلبہ سے آنے تک حضرت کھانا شروع فرمادیتے یا تناول فرمالیتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ آپ کا آپ کے گھر والوں نے حرج کیا ہے، میں نے نہیں بلوایا۔ (ص:۳۹۹، ۴۰۰)

جمعہ کے دن کھانے کے سلسلے میں حضرت مدنی کا معمول

حضرت قدس سرۂ کا معمول جمعرات کے سفر کا ہمیشہ سے تھا اور کبھی جمعہ کو بھی آتے جاتے سہارن پور کا نمبر آجاتا۔ میری عادت اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے زمانے سے جمعہ کے دن جمعہ کے بعد کھانے کی ہمیشہ رہی۔ مجھے پہلے کھا کر جمعہ کی نماز میں لطف نہیں آتا۔ اور حضرت قدس سرۂ کا معمول ہمیشہ جمعہ سے پہلے کھانے کا تھا، خواہ وقت قلیل ہی ہو۔ سفر میں تو ہمیشہ میزبان ان کی رعایت کرتے اور میں تابع ہوتا؛ مگر سہارنپور میں خوب رسہ کشی ہوتی، میری خاطر حضرت تو فرماتے کہ میں جمعہ کے بعد کھاؤں گا اور میں کہتا کہ نہیں۔ حضرت میں جمعہ سے پہلے کھاؤں گا؛ مگر اس میں حضرت قبول نہ فرماتے اور غلبہ جمعہ کے بعد ہی کو ہوجاتا۔ اور میں بھی جھوٹا سچا اصرار کرکے خاموش ہوجاتا۔ (ص:۴۰۰)

کھانا وہیں سے آئے گا

ایک مرتبہ حضرت سفر سے تشریف لائے۔ جمعہ کا دن گیارہ بجے کے قریب فیصلہ جمعہ کے بعد کھانے پر ہوگیا۔ کھانے کے دوران میں ایک صاحب شہر کے

آ گئے اور بہت اصرار سے اپنے ادارے میں چند منٹ کے لیے تشریف لے جانے کا وعدہ لے گئے۔ میں نے مخالفت بھی کی حضرت وہاں جا کر دیر بہت ہو جائے گی۔ یہ صاحب جلدی نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت قدس سرہٗ کو ساڑھے چار بجے کے ایکسپریس سے سیدھے دہلی جانا تھا کہ وہاں کسی اجتماع میں عشاء کے بعد شرکت کا وعدہ تھا؛ مگر حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہما دلداری اور دلجوئی کے پتلے تھے قبول فرمالیا تین بجے کے قریب ان کی کار میں ان کے ادارے میں گئے، کار نے راستہ میں بہت پریشان کیا اور ان صاحب نے حسبِ عادت بہت تاخیر کی اور جب اسٹیشن پہونچے تو گاڑی چھوٹ چکی تھی؛ مگر چہرۂ انور پر ذرا بھی ناگواری یا ملال کا اثر نہ تھا، دہلی تو حضرت نے تار دیا کہ دوسری گاڑی سے آؤں گا اور خادم کو توشہ دان دے کر بھیجا کہ شیخ الحدیث صاحب سے کہو جو کچھ رکھا ہو دے دیں۔ معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر بہت سے مخلصوں نے خوشامد اور منّت وسماجت کی کہ کھانا ہم لائیں؛ مگر حضرت نے فرمایا کہ کھانا وہیں سے آئے گا، کس کس شفقت کو یاد کروں اور روؤں اور رُلاؤں۔ (ص:۴۰۰، ۴۰۱)

بخیل کا مال ہے جتنا ہو وصول کرلو

ایک دفعہ حضرت تشریف لائے، گرمی کا موسم۔ میں نے حضرت کے خادم سے پوچھا کہ تھرمس میں برف ہے؟ وہ یہ سمجھے کہ پینے کے واسطے پوچھا ہے وہ کہنے لگے کہ تھوڑا سا ہے لاؤں۔ میں نے کہا کہ پینے کو نہیں پوچھتا؛ بلکہ میرے تھرمس میں سے اپنے تھرمس میں بھرلو، وہ کوئی نئے خادم تھے، کہنے لگے کہ نہیں حضرت اس میں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جتنی جگہ ہے اس میں بھرلو، بخیل کا مال ہے جتنا ہو وصول کرلو۔ (ص:۴۰۱)

یہ بخیل اس کو پھر چھینکے پر رکھ دیتا

ایک مرتبہ میرے پاس دہلی کے ایک صاحب نے گاجروں کے حلوے کا ایک پیکیٹ بذریعہ ڈاک بھیجا اور اسی دن معلوم ہوا کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے احترام واشتیاق میں اس کو اپنے کمرے کے سامنے چھینکے پر رکھوادیا۔ اس زمانہ میں میرا قیام مستقل اوپر کے کمرے میں شب وروز رہتا تھا، حضرت کے تشریف لاتے ہی میں نے ایک مخلص سے کہا کہ بھائی چھینکے پر سے پیکٹ اُٹھا کر کھول کر حضرت کی خدمت میں پیش کرو۔ حضرت نے خود ہی پیش قدمی فرمائی اور چھینکے پر سے اس کو اُتار لیا اور اس کے کپڑے کو پھاڑ کر پھینک دیا وہ تو بادشاہ تھے ان کی نگاہ میں ایسی معمولی چیزیں کیا تھیں اور میں بقول ان کے بخیل اوّل تو مجھے اس کپڑے پر قلق ہوا کہ کیسا ضائع ہوا، اور حضرت نے ایک دو انگلی تو اس میں سے خود نوش فرمائیں اور باقی سارا جس کی مقدار اندازاً دو سیر ہوگی، ایک ایک لقمہ سارے مجمع کو جو حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ ان کے آنے پر ہمیشہ ہو جاتے تھے تقسیم فرما دیا اور میری نہ تواضع فرمائی اور نہ چکھایا۔ اور سارا ختم کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ بخیل اس کو پھر چھینکے پر رکھ دیتا۔ (ص:۴۰۱، ۴۰۲)

کھدر کا کپڑا

حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو کھدر سے تو عشق تھا اور ولایتی کپڑے سے نفرت تھی، یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے؛ لیکن اس سیہ کار کے حال پر ایک مزید شفقت یہ تھی کہ میرے بدن پر جب بھی بدیسی کرتا دیکھتے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایسے زور سے چاک فرماتے کہ نیچے تک وہ پھٹ جاتا تھا، حضرت قدس سرہٗ کی حیات تک ڈر کے مارے کھدر کا میرے یہاں بہت ہی اہتمام رہا؛ چونکہ حضرت قدس سرہٗ کی آمد کا کوئی وقت مقرر نہ تھا نہ

دن نہ رات؛ اس لیے گرمی میں بھی کھدر کا کرتا جھک مار کر پہننا پڑتا تھا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی صاحبزادی نور اللہ مرقدہا کو حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ سے بہت ہی محبت تھی اور حضرت کو بھی بہت ہی زیادہ ان سے عقیدت ومحبت اور ان کا احترام تھا۔ میرے حضرت کھدر بالکل نہیں پہنتے تھے۔ حضرت صاحبزادی صاحبہ نور اللہ مرقدہا نے بہت اہتمام سے روئی منگوا کر بہت ہی باریک سوت خود کاتا اور ایک جوڑا کرتا، پاجامہ، ٹوپی خود اپنے دستِ مبارک سے سیا اور میرے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا، حضرت قدس سرہٗ نے ایک جمعہ تو ان کے احترام میں اس جوڑے کو پہن کر پڑھا اور دوسرے دن نکال کر اس ناکارہ کو یہ کہہ کر عطا فرمادیا کہ لو تم تو مولوی حسین احمد کی خاطر میں ہر وقت کھدر پہنتے ہی ہو، اس کو بھی پہن لینا۔ (ص:۴۰۲)

میرا سامان کچّے گھر میں جائے گا

جب اعلیٰ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے بعض اعذار کی وجہ سے مدرسہ کے جلسہ میں تشریف آوری سے عذر فرمادیا تو میرے حضرت قدس سرہٗ نے حضرت مدنی کو تار دیا جو اس وقت کلکتہ تشریف فرما تھے کہ جلسہ میں تمہاری شرکت ضروری ہے، حضرت مدنی کو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کسی دوسری جگہ تشریف لے جانا تھا وہاں التواء کا تار دے کر فوراً سہارنپور تشریف لے آئے؛ چونکہ خاص طور سے بلائے گئے تھے؛ اس لیے مدرسہ کے مہمان خانہ میں حضرت مدنی کے قیام کا اہتمام میرے حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا تھا۔ تانگہ سے اُتر کر حضرت مدنی مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ میرے حضرت سے مصافحہ اور دست بوسی فرمائی، خدام سامان لے کر پیچھے پیچھے آرہے تھے، میرے حضرت نے فرمایا کہ سامان اوپر مہمان خانہ میں لے جاؤ، حضرت مدنیؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرا سامان کچّے گھر میں جائے گا۔ (ص:۴۰۲)

اوجز کی چھ جلدیں حضرت مدنی ورائے پوری کے حالات میں آسکتی ہیں

اس کے بعد سے جب تک مظاہرعلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا رہا جو تقسیم ہند تک بڑے اہتمام سے ہوتا رہا اور اس کے بعد سے بعض مجبوریوں کی وجہ سے بند ہوگیا۔ حضرت ہمیشہ دو مرتبہ کے علاوہ سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے رہے اور گویا حضرت حکیم الامت کے بعد مدرسہ کے جلسہ کے واعظ حضرت شیخ الاسلام ہی بن گئے۔ دو مرتبہ تشریف نہ لاسکے۔ ایک مرتبہ تو جلسہ کے موقع پر حضرت مدح صحابہ کے سلسلے میں لکھنؤ جیل میں تھے، اس سال جلسہ میں بعض مفسدین نے کچھ خلفشار پھیلایا، جلسہ کو بند کرنے کی کوشش بھی کی اور ایک مرتبہ باوجود دیوبند تشریف فرما ہونے کے میری حماقت سے تشریف آوری نہ ہوئی، میں تو مطمئن رہا کہ حضرت کو جلسہ کی تاریخ معلوم ہے، دفتر سے ضابطہ کا خط اور اشتہار جا چکا ہے اور خود حضرت کو بھی مدرسہ کے جلسہ کا اہتمام رہتا تھا، مجھ سے اکثر ایک دو ماہ قبل دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ اپنے جلسے کی تاریخ نوٹ کرادو، کبھی میری تاریخ کہیں دوسری جگہ کی ہوجائے اور تم خفا ہو؛ اس لیے میں بالکل مطمئن تھا۔ حضرت تشریف نہ لائے اور دیوبند میں مقیم رہے۔ جلسہ کے دن شام کو تشریف لائے؛ اس لیے کہ بعض خصوصی مہمانوں سے خود حضرت کو بھی ملنا تھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت آج تو بڑا انتظار کرایا خیر تو ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم نے بلایا ہی نہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت! مدرسہ سے تو مطبوعہ اشتہار اور خط دونوں گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تو گئے تھے؛ مگر اب تک کا معمول ہمیشہ یہ رہا کہ مدرسہ کے خط کے ساتھ یا علیحدہ مستقل حکم نامہ تمہارا بھی جاتا تھا، اب کے نہیں گیا، میں نے سمجھا کہ میری آمد تمہارے نزدیک مناسب نہیں ہے، مجھے اس وقت اپنی حماقت پر بہت ہی قلق ہوا، اس کے بعد سے کبھی مستقل عریضہ نہیں چھوڑا۔

اتنے واقعات اس وقت ذہن میں ہیں کہ اوجز کی چھ جلدیں حضرت مدنی ورائے پوری کے حالات میں آسکتی ہیں۔(ص:۴۰۲، ۴۰۳)

حضرت مدنیؒ کی حضرت شیخ پر شفقت ومحبت

میرے حضرت سیّدی وسندی ماوائی وملجائی شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ قدس اللہ سرہٗ اعلی اللہ مراتبہٗ کو جو شفقت ومحبت اس سیہ کار پر رہی اس کے دیکھنے والی سینکڑوں نہیں ابھی تک ہزاروں آنکھیں موجود ہیں۔حضرت قدس سرہٗ کا ہمیشہ مستقل اور مستمر معمول یہ رہا کہ دیوبند سے رُڑکی لائن پر جاتے ہوئے سہارنپور کے قصبات میں کسی جگہ جاتے ہوئے اگر ایک گھنٹے کا وقفہ بھی ملتا تھا تو واپسی کا تانگہ لے کر ضرور کرم فرماتے تھے، ہر چند کہ میں بار بار تکلیف کے خیال سے گستاخانہ لہجے میں نکیر بھی کرتا،سینکڑوں واقعات اس کے گزرے، جو اصل واقعہ اس جگہ لکھوانا ہے وہ تو آگے آرہا ہے، بیچ میں ایک چھوٹا سا فقرہ لکھواتا ہوں۔(ص:۲۰۱)

خیال ہوا کہ تمہارے درشن کرآؤں

ایک مرتبہ دسمبر کا زمانہ،سردی زور پر،اور بارش اس سے بھی زیادہ ساڑھے گیارہ بجے رات کے میں اپنے مکان کے دروازے پر کتاب دیکھ رہا تھا،دروازے ہی میں سویا کرتا تھا،زنجیر زور سے کھٹکی، پوچھا کون؟ارشاد ہوا: حسین احمد! ننگے پاؤں اُٹھ کر کواڑ کھولے اور تعجب سے پوچھا: حضرت اس وقت بارش میں؟ارشاد ہوا کہ لکھنؤ جانا ہے۔ کلکتہ میل دو گھنٹہ لیٹ ہے، یہ تو مجھے یقین تھا کہ تم جاگ رہے ہوگے؛اس لیے خیال ہوا کہ تمہارے درشن کرآؤں۔ میں نے نہایت گستاخی سے کہاان مبارک ہونٹوں سے یہ لفظ بڑا ثقیل ہے، میں نے چائے کی درخواست کی،فرمایا: ریل پر جا کر پیوں گا، چائے

پی کر بارش میں جانا پڑے گا، تانگہ بھی باہر بھیگتا رہا اور حضرت ایک گھنٹہ تشریف فرما کر کچھ خصوصی ارشادات فرما کر تشریف لے گئے، یہ بات تو بیچ میں آ گئی تھی، سینکڑوں واقعات اس نوع کے پیش آئے، ان کے لیے ایک الف لیلہ ولیلہ چاہیے۔

اطراف سہارنپور کے سفر کا معمول

اس وقت جو قصہ مقصود تھا وہ بھی ایک عجیب، دسمبر کی رات، حضرت قدس سرہٗ آبھہ ایک گاؤں نانوتہ کے قریب تشریف لے گئے تھے، ویسے تو اس زمانہ کا اکثر یہ معمول تھا کہ حضرت ضلع سہارنپور کے کسی قصبے یا گاؤں میں جاتے تو اسٹیشن سے کار میں سیدھے میرے گھر تشریف لاتے، مجھے کار میں بٹھا کر اپنے ہمراہ لے جاتے تھے، تین چار گھنٹے کا سفر ہوتا تھا، واپسی میں مجھے مکان پر اُتار کر اور اسی کار میں اسٹیشن تشریف لے جاتے، اور وہاں سے ریل میں۔ اکثر دیوبند سے سہارنپور کا سفر آمد ورفت کا ریل میں ہوتا، اور سہارنپور کے اسٹیشن سے اسٹیشن پر واپسی تک کار میں آبھہ، نانوتہ، بہٹ، رائے پور، گنگوہ کے سفر میں اکثر معیت رہی۔ ریڑھی تاج پورہ کے سالانہ جلسہ کا تو خاص مستمرہ دستور تھا کہ حضرت قدس سرہٗ شام کو چار بجے کی گاڑی سے دیوبند سے تشریف لاتے، چائے نوش فرماتے، عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر کار میں ریڑھی جاتے، مغرب وہاں پڑھ کر ایک گھنٹہ وہاں آرام فرماتے، اٹھنے کے بعد کھانا نوش فرماتے، یہ ناکارہ دسترخوان پر تو شریک ہوتا؛ لیکن کھانے میں شریک نہ ہوتا؛ اس لیے کہ رات کو کھانے کا معمول نہیں تھا، عشاء کے بعد مدرسہ کے جلسہ میں پورے بارہ بجے تک وعظ فرماتے، پورے بارہ بجے وعظ ختم کر کے تقریباً آدھ گھنٹہ مصافحوں میں لگتا اور کار میں مجھے بٹھا کر مجھے میرے دروازہ پر چھوڑ کر اسی کار میں اسٹیشن تشریف لے جاتے اور ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے دیوبند اور علی الصباح مدرسہ کا سبق۔ (ص:۲۰۱، ۲۰۲)

یہ دیکھوں تھا کہ آپ ان حالات میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

اصل واقعہ دسمبر والا جو لکھنا شروع کیا تھا وہ مؤخر ہوتا جا رہا ہے، ایک مرتبہ آبھہ کار میں تشریف لے گئے، معلوم نہیں کہ یہ ناکارہ ساتھ کیوں نہیں تھا؟ غالباً مدرسہ کی کوئی ضرورت تھی، دوسرے دن مغرب کے بعد حضرت قدس سرہٗ آبھہ سے واپس تشریف لائے، اس قدر زوردار طوفانی بارش کہ کمرے سے باہر پاؤں رکھنا مشکل، اتنی ہی زوردار سردی اور حضرت قدس سرہٗ کو شدت سے بخار، آتے ہی فرمایا کہ مغرب نہیں پڑھی ہے، راستے میں دیر ہوتی چلی گئی، کہیں اُترنے کی جگہ نہیں ملی، مشلح وغیرہ سب بھیگ رہا ہے، میں نے جلدی سے لنگی پیش کی، کپڑے اُتارے، لنگی اور چادر میں حضرت نے مغرب پڑھی، دو تین خادم بھی ساتھ تھے، اتنے حضرت نے نہایت ہی اطمینان سے مغرب کی جماعت کرائی، میں نے دو انگیٹھیاں بھروا کر منگوائیں اور عزیزم مولوی نصیر الدین کو اللہ بہت ہی بلند درجات عطا فرماوے، دارین کی ترقیات سے نوازے اور ان چیزوں کے ثمرات وہ خود بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، وہ بغیر کہے چائے تیار کر کے لے آیا، چائے کی پیالی پیش کی گئی اور میں نے بُری عادت کا مظاہرہ کیا، کار تو سہارنپور ہی تک تھی وہ تو حضرت کو اُتار کر چلی گئی۔ میں نے عرض کیا، حضرت نظامِ سفر؟ ارشاد فرمایا کہ خیال یہ ہے کہ اسی وقت ساڑھے دس کی گاڑی سے چلا جاؤں، میں نے عرض کیا، بہتر ہے؛ مگر ایک منٹ سکوت کے بعد میں نے عرض کیا حضرت بارش بڑی زور کی ہو رہی ہے، سردی بھی زوروں پر ہے، بخار بھی شدت سے ہے، معلوم نہیں دیوبند اس گاڑی کی اطلاع بھی ہے یا نہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اطلاع تو نہیں ہے؛ لیکن اگر سواری نہ ملی تو اسٹیشن کی مسجد میں لوگ رہتے ہیں، میں نے عرض کیا جیسے ارشاد ہو؛ مگر اس وقت میں اور صبح چھ بجے میں کوئی

زیادہ فرق تو ہے نہیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے نہایت تبسم سے جن کو اب یاد کر کے رونا آتا ہے (از کاتب الحروف، یہ لفظ لکھواتے وقت شیخ کی آنکھوں میں سے پانی نکل پڑا) یہ ارشاد فرمایا فرق تو کچھ نہیں ہے **یہ دیکھوں تھا کہ آپ ان حالات میں کیا ارشاد فرمائیں گے۔** میں نے عرض کیا وہ تو حضرت نے ملاحظہ فرمالیا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ بہتر ہے جیسی رائے ہو۔ اس پر حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں صبح ہی کو جاؤں گا صرف تمہیں دیکھنا تھا، بہت سے واقعات ہیں اس نوع کے۔ (ص: ۲۰۲، ۲۰۳)

تم اپنے اصول کے خلاف کیوں کہتے ہو؟

ایک مرتبہ حضرت لکھنؤ سے آرہے تھے، حضرت کا ہمیشہ معمول یہ رہا کہ اگر وقت میں ایک گھنٹہ کی بھی یا زائد کی گنجائش ہوتی تب تو خود مکان پر تشریف لاتے؛ ورنہ تار لکھنؤ یا مرادآباد سے ضرور دیتے اور یہ ناکارہ اگر وقت پر تار پہنچ جاتا تو اسٹیشن پر ضرور جاتا، فسادات کے زمانہ میں اسٹیشن پر سکھوں کی کاریں پندرہ پندرہ روپے پر اسٹیشن گیا ہوں؛ البتہ جب تار ہی بعد میں پہونچے تھا تو معذوری ہوتی۔ ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ لکھنؤ سے تشریف لا رہے تھے، گیارہ بجے رات کو تار ملا، میں اسی وقت ریل پر حاضر ہوا، بارہ بجے گاڑی آئی، میں نے مصافحہ کے ساتھ پوچھا حضرت نظام؟ یوں فرمایا۔ اسی وقت ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے دیوبند جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا، وہاں کوئی اطلاع ہے؟ فرمایا وہاں کوئی اطلاع نہیں دی ہے کہ تار دیر میں پہنچتا ہے۔ میں نے پوچھا، اس وقت دیوبند کے اسٹیشن پر سواری ملے گی؟ ارشاد فرمایا نہیں۔ میں نے کہا تو پھر مدرسہ تشریف لے چلیے، ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اُصول کے خلاف کیوں کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت! میرا اُصول اکابر ومہمانوں کی راحت کے واسطے ہے کوئی مصیبت کے واسطے نہیں۔ حضرت نے خوب تبسّم فرمایا اور

مدرسہ تشریف لے آئے۔ اللہ میرے سارے ہی بزرگوں کو بہت ہی عالی مراتب نصیب فرمائے، جتنی جتنی میں نے بےادبیاں، گستاخیاں اپنے اکابر کی شان میں کیں، اتنے ہی ان کی شفقتیں، محبتیں، کرم فرمائیاں بڑھیں۔(ص:۳۰۳، ۳۰۴)

تم میرے مہمان کو چھینتے ہو؟

ان ہی بُری عادتوں میں سے ایک بُری عادت جس میں مجھے اپنے آقا، ماوا، ولجا سیّدی وسندی حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ قدس سرہٗ اعلی اللہ مراتبہٗ کی طبع مبارک کے خلاف یہ بُری عادت ہمیشہ رہی کہ میرے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے مہمان کی کوئی دعوت کرتا تو حضرت کو از راہِ محبت وشفقت داعی ومدعو دونوں پر غصہ آجاتا۔ حضرت قدس سرہٗ داعی سے ڈانٹ کر فرماتے **تم میرے مہمان کو چھینتے ہو** اور مہمان سے فرماتے، آپ سے دال روٹی نہیں کھائی جاتی، مال کھانے کو جی چاہتا ہے، اس کے بالمقابل اس سیاہ کار کا ہمیشہ معمول یہ رہا کہ اگر میرے مہمان کی کوئی دعوت کرے اور مجھے اس کا بخوشی پسند کرلینا معلوم ہوجائے تو میں کبھی اس میں مانع نہیں ہوتا؛ بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرلیتا ہوں بشرطیکہ مہمان اس کو خوشی سے پسند کرے؛ بلکہ اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میرا مہمان داعی کی دعوت کو زیادہ پسند کرتا ہے اور محض میرے لحاظ سے میرے یہاں کھانا چاہتا ہے تو میں ازخود داعی کی سفارش کردیتا ہوں، تین واقعے اپنے تین اکابر کے نمونہ کے طور پر لکھواؤں گا۔(ص:۲۰۸)

کھانا تو زکریا ہی کے یہاں کھانا ہے

میرے حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ کی آمد پر جب کوئی دعوت کرتا تو حضرت

شدت سے فرمادیتے کہ کھانا زکریا کے یہاں کھانا ہے، بارہا اس کی نوبت آئی، ایک مرتبہ جمعیۃ علماءِ ضلع کانفرنس حضرت کی طرف سے بلائی گئی، خواجہ اطہر صاحب ضلع کے صدر تھے، دو بجے سے عصر تک جمعیۃ کانفرنس ہوتی رہی، عصر کے بعد حضرت مدرسہ تشریف لانے لگے، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا؟ فرمایا کہ کھانا زکریا کے یہاں کھانا ہے، انھوں نے بہت اصرار کیا کہ جمعیۃ آپ کی طرف سے طلب کی گئی ہے، حضرت نے فرمایا جس کام کے واسطے طلب کی تھی وہ کام ہوگیا، میں نے کھانے کی دعوت نہیں کی تھی، آپ کھلایئے خواجہ صاحب نے بہت ہی اصرار فرمایا؛ مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا، مجھے خود بھی اس کا واہمہ نہ تھا کہ حضرت جمعیۃ کو چھوڑ کر تشریف لے آویں گے۔ اسی طرح سے مولانا منظور النبی مرحوم نے ایک دفعہ ایک کانفرنس حضرت کی طرف سے بلائی، مغرب تک کانفرنس رہی اور مغرب کے بعد حضرت اس سیہ کار کے گھر تشریف لے آئے۔ مولوی صاحب مرحوم کو بہت ہی ناگوار بھی ہوا، میں نے چپکے سے خوشامد کی کہ اکابر کے منشاء پر عمل، حقیقی تعلق اور محبت کی علامت ہے، میں نے تو کوئی درخواست نہیں کی، اگر میں درخواست کرتا تو آپ کا مجھ پر غصہ بجا تھا کہ آپ کے مہمان کو کیوں چھینا؛ لیکن یہ تو حضرت کا خود منشاء ہے اس پر آپ کو بھی ہتھیار ڈال دینا چاہیے۔ بیسیوں واقعات میرے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے اس قسم کے پیش آئے۔ (ص:۲۱۰)

دن رات اسفار اور سبق کی پابندی

میری بُری عادتوں میں جو ہمیشہ سے ہے، سفر سے وحشت ہے۔ یہ ابتداء ہی سے میری عادت اور طبیعتِ ثانیہ بن گئی۔ اس کی ابتداء تو جیسا کہ میں اپنے رسالوں

میں اور غالباً ''اعتدال'' میں لکھ چکا ہوں۔ اپنے والد صاحب کی ابتدائی زمانہ میں کہیں نہ جانے پر جبر و پابندی تھی اور وہ میرے لیے ایسی عادت بن گئی کہ اب نہیں؛ بلکہ ساری عمر سے سفر میرے لیے ایک مصیبت بنا رہا۔ جہاں کہیں سفر ہوتا تو سفر سے تین دن پہلے سے اس کی وحشت اور بلا مبالغہ اس کی فکر سے بخار اور واپسی کے بعد کئی دن تک اس کا تکان اور خمیازہ بخار، سر میں درد۔ یہ چیزیں ہمیشہ بڑھتی ہی رہیں اور اپنے دوا کا بر مرشدی حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ اور ان سے بھی بڑھ کر حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ ان دونوں کو دیکھتا تھا اور بڑا رشک کرتا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کو دیکھنے والے ابھی تک کثرت سے موجود ہیں کہ ان کے یہاں جمعرات کی شام کو دیوبند سے دہلی جانا اور عشاء کے بعد دہلی کے ایک اجتماع کی صدارت کرنا اور پھر ایک جلسۂ شوریٰ میں شرکت کرنا اور اس کے بعد راتوں رات نانوتہ آنا۔ صبح کی نماز کے بعد وہاں جلسہ میں تقریر کرنا اور اس کے بعد سنسارپور گیارہ بجے کے قریب ایک جلسہ میں تقریر کرنا اور جمعہ کی نماز کے بعد بہٹ میں تقریر کرنا اور اس کے بعد ساڑھے چار بجے کے ایکسپریس سے دیوبند جانا اور عشاء کے بعد سبق پڑھانا، یہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، اس قسم کے بیسیوں واقعات ہمیشہ کا معمول تھا۔ (ص: ۲۱۰)

حضرت مدنی کا حضرت شیخ کے ساتھ شدت تعلق

تقریباً پچاس سال ہوئے، بعض دوستوں کے شدید اصرار پر مظفرنگر کا وعدہ کیا اور واقعی پختہ ارادہ تھا اور پختہ وعدہ تھا؛ لیکن اپنے اس سفر کی وحشت کی وجہ سے ٹلتا ہی رہا۔ اب تو وہ حضرات بھی ختم ہوگئے جن سے وعدہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے آمین۔ حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ ایک مرتبہ ۱۵؍ربیع الاوّل ۷۰ھ میں مظفرنگر گھٹنوں کا علاج بجلی سے کرانے کے لیے ایک عشرہ کے واسطے تشریف لے گئے، جن

احباب سے وعدہ تھا اور وہ حیات تھے انھوں نے اس ناکارہ کو بہت ہی زور سے لکھا کہ تمہارا اتنے دنوں سے وعدہ ہے اور اس وقت حضرت مدنی یہاں مقیم ہیں، بہت اچھا موقع ہے۔ عیادت بھی ہوجاوے گی، ہمارا وعدہ بھی پورا ہوجاوے گا اور انھوں نے اس حسنِ ظن پر کہ حضرت قدس سرہٗ بھی پسند فرماویں گے۔ حضرت سے ذکر کردیا، حضرت کا گرامی نامہ اسی ڈاک سے فوراً آیا کہ میری طبیعت بحمداللہ بہت اچھی ہے تم مظفرنگر کا ہرگز ارادہ نہ کرنا، میں یہاں سے فارغ ہونے کے بعد دوتین دن میں پہلے سہارن پور آؤں گا، پھر دیوبند جاؤں گا؛ چنانچہ حضرت قدس سرہٗ مظفرنگر سے مع سامان حشم وخدم ریل میں سوار ہوکران سب کوتو دیوبنداُ تاردیا اور تنہا سہارنپور تشریف لاکر اگلی گاڑی سے واپس ہوئے۔(ص:۲۲۰)

سفارش کے سلسلے میں حضرت مدنیؒ کا معمول

میری بُری عادتوں میں سے ایک نہایت شدید اور بدترین عادت یہ ہے کہ مجھے سفارش سے ہمیشہ وحشت رہی۔ میں نے سنا کہ میرے دادا صاحب نوراللہ مرقدہٗ جب نواب چھتاری کے یہاں جاتے تو اپنے ساتھ اتنی درخواستیں لاتعدولاتحصیٰ لے جاتے کہ حد نہیں اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کوتو ہمیشہ خود بھی دیکھا کہ حضرت قدس سرہٗ سے جوشخص جہاں بھی سفارش چاہتا، چاہے مہتمم مدرسہ ہو، چاہے وزیرِ اعلیٰ صوبہ ہو یا وزیرِ اعلیٰ مرکز فوراً اس کے نام سفارش کردیتے۔ میں تو بعض دفعہ عرض کردیتا تھا کہ آپ سے اگر کوئی یہ سفارش کراوے کہ پنتھ صاحب وزیراعلیٰ یوپی استعفاء دے کر مجھے اپنی جگہ وزیرِ اعلیٰ کردیں تو آپ اس کی بھی سفارش فرمادیں۔ حضرت ہنس دیتے مجھے سفارش میں ہمیشہ اسی واسطے گرانی رہی کہ اب سفارش سفارش کے درجہ میں نہیں رہی، جس کے متعلق اشفعوا توجروا، ولیقض اللہ علی لسان

رسولہ ماشاء ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسی بنا پر مجھے سفارش سے ہمیشہ گھبراہٹ رہی کہ وہ اب سفارش کے درجہ میں نہیں؛ بلکہ وہ اب بار اور حکم کے درجہ میں ہوگئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات ہدیہ کے قبول کرنے کی ترغیب میں وارد ہوئے ہیں؛ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد بخاری شریف میں وارد ہوا ہے کہ ہدیہ حضورؐ کے زمانہ میں تو ہدیہ تھا، اب تو رشوت ہے اور سچ فرمایا، ایک دفعہ میرے عزیز مولوی ظہیر الحسن مرحوم نے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص میری سفارش قبول نہ کرے تو میری ہمیشہ کے لیے اس سے لڑائی ہوجاتی ہے، اس سے تعلقات منقطع ہوجاتے ہیں، جانا آنا بھی بند کردیتا ہوں۔ میں نے مرحوم سے کہا کہ جو میری سفارش رد کردے مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، بہ نسبت اس سے کہ جو اس کو قبول کرلے؛ اس لیے کہ سفارش قبول کرنے والے کے متعلق مجھے یہ فکر ہوجاتی ہے کہ کہیں اس پر بوجھ نہ پڑا ہو۔ اسی بنا پر تقسیم سے پہلے مسلمان حاکم جو بکثرت آتے تھے اور جو مسلمان حاکم آتا تھا وہ کہیں سے آنے سے پہلے اس سیہ کار کا نام سن لیتا تھا اور آنے کے بعد بہت جلد ملاقات کے لیے آیا کرتا تھا اور میرا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جب کوئی مسلمان حاکم آتا تو ابتدائی ملاقات میں اس کا بہت اعزاز کرکے اس کو بہت اکرام سے درخواست کرتا کہ آئندہ کرم نہ فرماویں اور جب وہ بہت تعجب سے پوچھتے کہ کیوں ہماری تو خواہش یہ ہے کہ بہت کثرت سے حاضر ہوں، تو میں ان سے کہتا کہ آپ تو حاکم ہیں، آپ تک تو لوگوں کی رسائی مشکل اور جاتے ہوئے ڈریں گے اور اس غریب پر ہر شخص مسلط رہے گا کہ جج صاحب، ڈپٹی صاحب، منصف صاحب تیرے یہاں آتے ہیں، ہماری سفارش لکھ دے، یہ ناکارہ مصیبت میں پھنس جاوے گا۔ ایک آدھ صاحب نے تو میری درخواست قبول کی، اور دو ڈپٹیوں کے متعلق جن کے نام کے اندر تردد ہے اور ان سے بے تکلفی بہت ہوگئی تھی، انھوں نے کہا آنا کبھی نہ

چھوڑیں گے، آپ جتنا چاہے منع کریں۔اس کا اطمینان دلاتے ہیں کہ ناحق میں آپ کی سفارش قبول نہ کریں گے، میں نے ان سے بہت ہی کہا کہ قبول کرنا تو آپ کا کام ہے اور بعد کا کام ہے میں تو مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔

اور میرے حضرت مدنی کے یہاں سفارش کا تو صلائے عام تھا، روزمرّہ کا یہی قصہ رہتا تھا، جہاں تک مدرسہ کے حدود میں گنجائش ہوتی تعمیل ارشاد میرے لیے فخر تھا؛ لیکن جہاں میرے خیال میں مدرسہ کے قوانین کے خلاف ہوتا وہاں کسی موقعے پر معذرت کردیتا۔(ص:۲۲۲ تا ۲۲۴)

حضرت مدنی اور حضرت شیخ کا ایک دلچسپ مکالمہ

ایک صاحب ایک مرتبہ بڑی زوردار سفارش حضرت مدنی کی لائے، خط میرے نام تھا، میں نے خط کو پڑھ کر بے ادبی کے ساتھ ایسے رکھ دیا کہ جیسے کوئی چیز تھی ہی نہیں، وہ صاحب کہنے لگے آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ خط حضرت کا میرے نام ہے، اس میں یہ نہیں لکھا کہ آپ مجھ سے جواب طلب کریں، میں حضرت کے خط کا اپنے آپ جواب لکھ دوں گا، آپ کو جواب لینے کے لیے نہیں لکھا، کہنے لگے کہ آپ اس پر لکھ دیجیے کہ میں قبول نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ آپ کو تو جواب دینے کو اس میں لکھا نہیں، کہنے لگے، پھر میری سفارش واپس کردیجیے۔ میں نے کہا: یہ حضرت کا والا نامہ میرے نام ہے، آپ قاصد ہیں، آپ نے خط پہنچادیا، آپ دوبارہ حضرت سے لکھوا کر لائیے کہ میں نے جو خط بھیجا تھا وہ ان ہی کے ہاتھ واپس کردیا جائے، بہت دیر تک انھوں نے مجھے دق کیا، میں نے کہا کہ آپ کا اس خط سے کوئی واسطہ ہی نہیں، آپ کے ہاتھ حضرت نے ایک خط بھیجا ہے جیسا کہ ڈاکیہ کے ہاتھ بھیجتے ہیں، کہنے لگے میرے متعلق ہے، میں نے کہا: آپ کو کیا

حق تھا اس خط کے پڑھنے کا جو میرے نام تھا، کہنے لگے میں نے ہی لکھوایا تھا، میں نے کہا کہ آپ نے حضرت سے اس کی اجازت لے لی تھی کہ آپ اس خط کو پڑھیں گے۔ بہر حال میں نے یہ خط واپس نہیں کیا اور تعمیل بھی نہیں کی اور جب کئی روز بعد حضرت قدس سرہٗ تشریف لائے تو میں نے زبانی معذرت کر دی۔ حضرت نے فرمایا، میں نے کوئی حکم نہیں دیا تھا، سفارش ہی تو کی تھی، میں نے عرض کیا کہ بعضوں کی سفارش حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت مدنی کے ساتھ تو اس نوع کے بہت سے واقعات پیش آئے، مدرسہ کے طلبہ اور ملازمین کے سلسلہ میں بھی اور سیاسی مسائل میں بھی۔ (ص:۲۲۶، ۲۲۷)

تقریبات میں شرکت اور اکابر کا معمول

میری ان ہی بُری عادات میں سے ایک بُری عادت ساری عمر بچپن سے شادیوں میں شرکت سے نفرت؛ لیکن اس کے بالمقابل جنازوں میں شرکت کی رغبت، اہمیت دونوں کے چند واقعات آپ بیتی کے لکھواؤں گا، شادیوں میں جانے سے مجھے ہمیشہ بچپن سے وحشت سوار رہی؛ حالانکہ بچپن میں ان کا بہت ہی شوق ہوتا ہے اور بعض دفعہ تو ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾﴾ پر مجھے عمل کرنا پڑتا تھا اور اس میں کچھ کذب یا توریہ نہیں تھا کہ امراضِ ظاہرہ سے زیادہ امراضِ باطنہ کا شکار رہا اور جوں جوں امراض باطنہ میں کمی ہوتی رہی، امراضِ ظاہرہ اس کا بدل ہوتے رہے؛ اس لیے ﴿اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾﴾ سے کوئی دَور بھی خالی نہیں تھا۔ اور کبھی کبھی حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے اُسوہ پر بھی عمل کرنا پڑا، اگرچہ یہ سیہ کار اپنے اکابر کا اتباع کسی جگہ بھی نہ کر سکا، میرے اکابر کے اس میں ہمیشہ دو نظریے رہے، ایک حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہما کا کہ اگر سفر سے کوئی

عذر مانع ہوا تو صفائی سے کہہ دیا کہ وقت نہیں ہے اور فرصت نہیں ہے، اس کے بالمقابل حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی اور ہر دو حضرت رائے پوری نور اللہ مراقدہم کا یہ معمول رہا کہ یہ لوگ اصرار کرنے والوں کے سامنے بالکل عاجز ہو جاتے تھے اور ہتھیار ڈال دیتے تھے، خواہ کتنی ہی مشقت اُٹھانی پڑے، میں نے حضرت اقدس مدنی اور حضرت رائے پوری سے علیحدہ علیحدہ دو موقعوں پر ایک ہی سوال کیا کہ جب مجبوری ہو اور معذوری ظاہر ہے تو شدت سے آپ کیوں نہیں انکار کرتے، دونوں اکابر نے اللہ بلند درجات عطا فرمائے، بڑا قابلِ اتباع وعبرت جواب دیا، اگرچہ دونوں نے مختلف عبارتوں سے جواب ارشاد فرمایا، **یہ فرمایا کہ اس کا ڈر لگنے لگتا ہے کہ اگر یہ مطالبہ ہو کہ ہم نے اپنے ایک بندے کو تیرے پاس بھیجا تیری کیا حقیقت تھی، ہم نے ہی تو اس کو بھیجا تھا، تُو نے اس کو ٹھکرا دیا، تیری کیا حقیقت تھی، اس کا کیا جواب دوں گا۔** حضرت شیخ الہند کے جس معمول کا اوپر ذکر کیا گیا وہ یہ تھا کہ جب کوئی مجبور کرتا، اور جانے میں کوئی معذوری ہوتی تو کوئی مسہل دوا نوش فرمالیا کرتے تھے، اسہال کا عذر ایسا ہے کہ ہر ایک کو محسوس ہوتا ہے، صاف انکار کرنے سے اپنے کو مشقت میں ڈالنا ان اکابر کو آسان تھا۔

البتہ اس سلسلہ میں ایک نہایت بُری عادت یہ بھی رہی کہ تعزیت میں آنے والے کبھی اچھے نہیں لگے، اگرچہ یہ ناکارہ ہمیشہ دوسروں کی تعزیت میں اطلاع پاتے ہی پہنچا؛ اس لیے کہ لوگوں کو بہت شدت سے میرے جانے کا اہتمام ہوتا، بہت شدت سے منتظر رہتے؛ لیکن مجھے میری تعزیت کے واسطے آنے والے کبھی اچھے نہیں لگے، الا ماشاء اللہ! حضرت مدنی، حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہما جیسے تو مستثنیٰ تھے کہ ان کی آمد سے واقعی تعزیت ہوتی تھی؛ لیکن عام آنے والوں کو نہایت شدت سے منع کر دیتا تھا۔ (ص: ۲۳۵ تا ۲۳۷)

آہ! سفر وحضر کا رفیق حضرت شیخ الہند کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرسکا

اس کے بعد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا حادثۂ وصال دیکھا اور مالک کی قدرت کا عجیب کرشمہ دیکھا، یہ سیہ کار جس کو حاضری کی بہت ہی کم توفیق ہوتی تھی تجہیز وتکفین میں شریک اور میرے آقا میرے سردار حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی جو سفر وحضر کے رفیق مالٹا میں بھی ساتھ نہ چھوڑا، ایک دن پہلے جدا ہوگئے اور تجہیز وتکفین اور تدفین میں بھی شریک نہ ہوسکے، بڑی عبرت کا قصہ ہے، امروہہ میں شیعہ سنّی مناظرہ طے ہوچکا تھا، کئی مہینے پہلے سے اعلان، اشتہار وغیرہ شائع ہورہے تھے، اخبارات میں زوروشور تھا، سہارن پور سے میرے حضرت قدس سرہٗ پہنچ گئے اور لکھنؤ سے مولانا عبدالشکور صاحب دونوں اس نوع کے مناظرہ کے امام، شہرۂ آفاق، اہلِ تشیع جواب تک بہت ہی زوروں پر تھے ان دونوں حضرات کے پہنچنے پر اس کوشش میں لگ گئے کہ مناظرہ ہرگز نہ ہو اور التواء بھی سنیوں کی طرف سے ہو؛ اس لیے انھوں نے مولوی محمد علی جوہر مرحوم کو آدمی بھیج کر دہلی سے بلایا اور مرحوم نے مناظرہ کے خلاف آپس کے اتحاد پر مجامع میں اور مجالس میں ۲۴ر گھنٹے تک وہ زور باندھے کہ حد نہیں، میں نے مرحوم کو عمر بھر میں اسی وقت دیکھا نہ اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھنا یاد ہے، میں نے مرحوم سے کہا کہ مجھے آپ سے ملنے کا عرصہ سے اشتیاق تھا، میرا خیال یہ تھا کہ وہ شاید ایک دومنٹ میرے اشتیاق پر دیں، اگرچہ مجھ سے واقفیت نہیں تھی؛ مگر وہ میرے حضرت اور مولانا عبدالشکور صاحب کے اقدام پر بہت ہی ناراض ہورہے تھے؛ اسلیے انھوں نے سخت ناراض ہوکر یہ کہا کہ اس سے نمٹ لوں پھر ملوں گا۔ سارے دن یہ ہنگامہ رہا، دوسرے دن ۱۷ر ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ کو علی الصباح میرے حضرت قدس سرہٗ نے حضرت شیخ الہند کے نام بہت مختصر پرچہ اس

مضمون کا لکھوایا۔ صورتِ حال یہ ہے اور سنیوں کی طرف سے اس وقت التواء ہرگز مناسب نہیں، آپ میرے نام ایک خط جلد بھیج دیں کہ مناظرہ جاری رکھا جائے یا مناظرہ ملتوی نہ کیا جائے۔ بہت مختصر پرچہ میں لے کر امروہہ سے دہلی روانہ ہوا، جب میں اسٹیشن پر پہونچا تو دو چار آدمی ملے، مصافحہ کیا، میں نے ان سے پوچھا کون؟ کیسے؟ انھوں نے کہا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ جو اسی گاڑی سے کلکتہ جارہے ہیں ان کی زیارت کے واسطے آئے ہیں، میرے پاس نہ کاغذ، نہ پنسل، ایک کاغذ ردّی اسٹیشن سے ڈھونڈا اور ایک کوئلہ اُٹھایا اور جو مجھے اسٹیشن پر پہونچانے کے واسطے گیا تھا اس کے ہاتھ کوئلے سے حضرت قدس سرہٗ کے نام پرچہ لکھا کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کو وہیں اُتارلیں، یہ کہہ کر دہلی روانہ ہوگیا، میرے حضرت نے گاڑی پر آدمی بھیجا اور حضرت سے اُترنے کو فرمایا، باوجود اس کے کہ حضرت کا کلکتہ کا ٹکٹ تھا اور سامانِ سفر ساتھ تھا، میرے حضرت کے حکم پر حضرت مدنی وہیں اُتر گئے، انقیادِ اکابر میں نے جتنا حضرت مدنی قدس سرہٗ میں دیکھا اتنا کم کسی دوسرے میں دیکھا، اپنی طبیعت کے جتنا بھی خلاف ہو؛ مگر اپنے بڑوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینا ان ہی کا حصہ تھا اور سارے دن مناظرہ کے متعلق زوردار تقریریں فرمائیں، جس میں فریقین کو نصیحت کہ یہ زمانہ آپس میں اشتعال کا نہیں ہے، اس وقت میں تو غیر مسلموں سے بھی صلح کرنے کی شدید ضرورت ہے، چہ جائیکہ آپس میں لڑائی جھگڑا کیا جائے۔ میں حضرت قدس سرہٗ کا گرامی نامہ حضرت شیخ الہند کے نام لے کر مغرب کے قریب حضرتؒ کی قیام گاہ پر پہنچا، تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ پر مرض کا شدید حملہ تھا، پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دوسرے دن صبح کو وصال ہوگیا اور دنیا بھر میں تار ٹیلیفون دوڑنے لگے، حضرت مدنی قدس سرہٗ کے نام کلکتہ اور اس کے قرب وجوار کے چند اسٹیشنوں پر تار دیے گئے، جہاں تک اہل الرائے کی یہ

رائے ہوئی کہ صبح کی جس گاڑی میں حضرت مدنیؒ گئے ہیں وہ اس وقت تک کہاں پہنچے گی؟ اس جگہ سے لے کر کلکتہ تک ہر مشہور اسٹیشن پر تار دیا گیا، میں نے کہا: ایک تار حضرت مدنی کو امروہہ بھی دے دو، سب نے مجھے بے وقوف بتلایا اور بعضوں نے یہ سمجھا کہ یہ حضرت سہارنپوری کو تار دلوانا چاہتا ہے، حضرت مدنی کے نام سے ہر شخص نے کہا کہ آخر امروہہ کا کیا جوڑ؟ میں نے کہا احتیاطاً۔ جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء نوراللہ مرقدہٗ اعلی اللہ مراتبہٗ اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی بلند درجات عطا فرمائے، باوجودیکہ میں سیاسی حیثیت سے ان کے ساتھ نہیں تھا، ممکن ہے کسی جگہ مولانا مرحوم کا تذکرہ ذرا تفصیل سے آسکے؛ لیکن مفتی صاحب مرحوم کو شفقت بہت تھی اور بہت وقعت سے میری بات قبول فرمایا کرتے تھے۔ بہت سے سیاسی اور مذہبی مسائل میں اپنی رائے کے خلاف میری رائے کو ان الفاظ سے شائع کیا ہے کہ بعضے مخلص اہلِ علم کی رائے یہ ہے گو میری رائے نہیں، اس قسم کی کوئی عبارت اس وقت کے وقف بل میں بھی شائع ہوئی ہے جو مفتی صاحب نے لکھا تھا، بہت سے وقائع اس قسم کے مفتی صاحب کے ساتھ پیش آئے کہ میری رائے کو انھوں نے اپنی رائے کے خلاف انتہائی تبسم اور خوشی کے لہجے میں بہت اہتمام سے قبول کیا، اس موقع پر بھی میرے بار بار اصرار اور لوگوں کے انکار پر تیز لہجے میں فرمایا کہ جب یہ بار بار فرما رہے ہیں تو آپ کو ایک تار امروہہ دینے میں کیا مانع ہے؛ چنانچہ تار دیا گیا، شاید ارجنٹ نہ دیا ہو کہ دینے والوں کی رائے کے خلاف ہو، دوسرے دن امروہہ تار پہنچا اور تیسرے دن علی الصباح حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہند کے مکان پر پہنچے، یہ ناکارہ اس وقت تک امروہہ روانہ نہیں ہوا تھا؛ بلکہ جا ہی رہا تھا۔ وہ منظر ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ حضرت مدنیؒ انتہائی ساکت، قدم بالکل نہیں اٹھتا تھا، ہر قدم ایسا اُٹھ رہا تھا جیسا ابھی گر پڑیں گے۔ مصافحہ بھی ایک آدھ ہی نے کیا،

میں نے تو کیا نہیں، ہر شخص اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا، مولانا مدنی، حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے مردانہ مکان کی سامنے کی سہ دری میں جا کر دوزانو بیٹھ گئے اور چپ۔ دو چار حاضرین بھی گھر میں موجود تھے، وہ بھی جمع ہوکر مولانا کے پاس بیٹھ گئے اور میں قدرت کا کرشمہ سوچتا رہا کہ جو شخص سفر وحضر میں کسی وقت بھی جدا نہ ہوا ہو، وہ انتقال سے ایک دن بعد قبر پر حاضر ہو، اور جس کو حاضری کی نوبت کبھی نہ آئی ہو، وہ دہلی سے لے کر تدفین تک جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے۔ ع

عجب نقش قدرت نمودار تیرا

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی نمازِ جنازہ دہلی میں میرے چچا جانؒ نے پڑھائی اور حضرت کے حقیقی بھائی مولانا محمد حسن صاحبؒ نے شرکت نہیں کی؛ تاکہ ولی کو اعادہ کا حق رہے، انھوں نے دیوبند آنے کے بعد پڑھائی۔ (ص:۲۷۵ تا ۲۷۸)

جانشین شیخ الاسلام کا عقیقہ

ان ہی حوادث میں حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ کا حادثۂ انتقال بھی ہے جس کو میں ارشاد الملوک کی تمہید میں لکھ بھی چکا ہوں کہ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵/ اگست ۱۹۴۱ء دوشنبہ کی صبح کو ۶/ بجے وصال ہوا۔ ۴/ بجے شام کو مکان کے قریب ہی اپنے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ حادثہ کے وقت بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ ایک سفر سے سہارنپور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ زکریا سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدتِ علالت کی خبریں سنی جا رہی ہیں، خیال یہ ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے حضرت میرٹھی کی عیادت بھی کرتا جاؤں، بشرطیکہ تو بھی ساتھ ہو، میں نے قبول کرلیا اور قرار یہ پایا کہ اتوار کو دیوبند چلیں، شب کو وہاں قیام رہے، پیر کی

صبح کو میرٹھ چلے جاویں، شام کو واپسی ہو جائے، منگل کو حضرت رائے پور تشریف لے جاویں؛ چنانچہ اتوار کے دن ظہر کے وقت دیو بند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنیؒ سے میرٹھ جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنی عادتِ شریفہ کے موافق اجازت میں تامل فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آج عقیقہ ہے، میں ابھی بکرے کٹواتا ہوں، اس کا گوشت کھا کر دس بجے کی گاڑی سے چلے جانا۔ یہ عقیقہ عزیزم مولوی ارشد سلّمہٗ کا تھا؛ مگر نہ معلوم علی الصباح میرٹھ جانے کا فوری تقاضا میری طبیعت پر اور مجھ سے زیادہ حضرت کی طبیعت پر کیوں ہوا اور بہت ہی گرانی اور طبیعت کے تکدّر سے حضرت مدنی سے جانے کی اجازت لی، جس کا طبیعت پر دوپہر تک بہت ہی قلع رہا۔ حضرت قدس سرہٗ نے بھی بڑی گرانی سے اجازت دی، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ ۶/ بجے صبح کو مولانا میرٹھی کا انتقال ہو چکا ہے اور دو تار سہارن پور پہلا حادثے کی اطلاع کا، دوسرا جنازے کی نماز میں انتظار کا سہارن پور جا چکے ہیں اور حادثہ کی اطلاع کا تار دیو بند حضرت مدنی کی خدمت میں بھی روانہ ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ سے جو گرانی ندامت کلفت صبح سے تھی کہ حضرت کی منشاء کے خلاف آنا ہوا، وہ جاتی رہی۔ جنازہ اس ناکارہ کے انتظار میں رکھا ہوا تھا، تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ کی نماز ہوئی، ظہر سے پہلے ہی تدفین ہوگئی اور شام کو حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی ہم رکابی میں سہارن پور واپسی ہوگئی، معلوم ہوا کہ حضرت میرٹھی نے اس سیہ کار کے لیے نمازِ جنازہ کی وصیت فرمائی تھی۔ (ص: ۲۷۹، ۲۸۰)

حضرت مدنی کا ایک یادگار خطبہ نکاح: چند دلچسپ واقعات

مجھے اپنی بچیوں میں سب سے پہلا سابقہ اور معرکۃ الآراء سابقہ سب سے بڑی دو بچیاں والدہ ہارون، والدہ زبیر کا مولانا یوسف صاحبؒ و مولانا انعام الحسن صاحب کے نکاح سے پڑا۔

(الف): ہمارے خاندان کا قدیم دستور اُصولِ موضوعہ کے طور پر یہ طے شدہ تھا کہ جب کوئی لڑکی پیدا ہوتو اس کا اقرب ترین نامحرم گویا شادی کے لیے متعین تھا، یہی وہ واقعہ ہے جس کو مولانا یوسف صاحب کے بعد مؤرخین نے گڑبڑ کرکے نقل کردیا۔ ہوا یہ تھا کہ جب ہارون کی والدہ پیدا ہوئی تو دایہ نے اس بات کو کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اس عنوان سے اعلان کیا تھا۔ میری چچی کو مخاطب کرکے کہ آپا تمہیں مبارک باد دوں کہ اللہ نے تمہارے یوسف کے بہودی۔ یہ منگنا ہوگیا تھا۔ والدہ زبیر کے متعلق ذہنوں میں تو سب کے مندرجہ بالا قاعدہ کے موافق طے شدہ تھا؛ لیکن دوایک سال بعد بھائی اکرام صاحب کا ایک کارڈ آیا کہ والد صاحب کے تعمیل حکم میں لکھ رہا ہوں۔ تمہاری دوسری بچی سے عزیز انعام کے نکاح کی تجویز کو فرمایا ہے۔ میں نے اس کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ پھوپھا میرے بھی بڑے ہیں، اس کے بھی بڑے ہیں، میرے سے کیا پوچھنا؟ یہ ہوا منگنا۔ مولانا انعام الحسن صاحب کا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ ہرسال مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے۔ حسبِ معمول مؤرخہ ۲؍محرم ۵۴ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑگیا، کل کے جلسے میں حضرت مدنیؒ سے یوسف وانعام کا نکاح پڑھوادوں۔ میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوادیجیے مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ کل کے جلسے میں دونوں بچیوں کا نکاح پڑھوادیں، میری اہلیہ مرحومہ نے اس کے لفظ مجھے خوب یاد ہیں، یہ کہا کہ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوادیتی، مجھے اپنا جواب بھی خوب یاد ہے اور میرے جواب پر مرحومہ کا سکوت بھی ''اچھا مجھے خبر نہیں تھی، یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی

ہیں''، میرے جواب پر مرحومہ بالکل ساکت ہوگئی۔ جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنیؒ سے میں نے عرض کر دیا کہ یوسف، انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچا جان فرما رہے ہیں۔ حضرت نے بہت ہی اظہارِ مسرت فرمایا، کہا ضرور پڑھوں گا۔ ضرور پڑھوں گا۔ اور جامع مسجد میں پہنچنے کے بعد بیٹھتے ہی فرمایا کہ مہر کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں مہرِ مثل ڈھائی ہزار ہے، حضرت جی کو غصّہ آ گیا، فرمایا کہ میں مہر فاطمی سے زیادہ پر ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو شرعی چیز ہے۔ فقہاء کے نزدیک مہرِ مثل سے کم پر سکوت کافی نہیں بالتصریح اجازت کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر میرا اور حضرت کا جامع مسجد کے دَر میں بیٹھے بیٹھے مناظرہ ہوا۔ میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ اندر سے تو میرے ساتھ؛ مگر حضرت جی کے غصے کی وجہ سے چپ تھے اور میں خوب ڈانٹیں سن رہا تھا۔ میری اہلیہ مرحومہ کے والد مولانا رؤف الحسن صاحب جو قریب ہی بیٹھے تھے انھوں نے مجھ سے فرمایا جیسے حضرت فرما رہے ہیں مان لو۔ میں نے کہا: یہ تو شرعی چیز ہے۔ میرے چچا جان نے فرمایا: بچیوں میں سے کون سی انکار کر دے گی اور یہ نکاح نکاحِ موقوف بن جائے گا۔ اور جب تم گھر جا کر اظہار کر دو گے تو تکمیل ہو جائے گی۔ حضرت قدس سرہٗ ممبر پر تشریف لے گئے اور سادہ نکاحوں کی فضیلت، برکت پر لمبا چوڑا وعظ شروع کیا اور حضرت کی محبوب ترین گورنمنٹ برطانیہ کا ذکر تو کسی جگہ چھوٹتا ہی نہیں تھا، اس نکاح کے وعظ میں بھی وہ بار بار آتا ہی رہا۔ حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی ثم الدہلوی جو حضرت گنگوہی کے شاگرد اور ہمارے سارے اکابر کے محبوب تھے اس جلسے میں تشریف فرما تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ میں ½۱۰ بجے کی گاڑی سے جانا ضروری سمجھتا ہوں اور مولانا کی طبیعت خوب زوروں پر چل رہی ہے، اگر نکاح مولانا پہلے پڑھ دیں تو میری اور ساتھیوں کی تمنا یہ ہے کہ اس میں شرکت کرتے جاویں۔ میں نے حضرت کی خدمت

میں ممبر پر پرچہ بھیج دیا کہ بعض مہمانوں کو اس گاڑی سے جانے کی ضرورت ہے، ان کی درخواست ہے کہ نکاح پہلے پڑھ دیں، حضرت قدس سرہٗ کو یہ خیال ہو گیا کہ بعض لیگی حضرات میری تقریر سُننا پسند نہیں کرتے؛ اس لیے اوّل تو خوب ممبر پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اصل غلطی تو مجھے ممبر پر کھڑا کرنا ہے اور اس بے ایمان حکومت کو کہے بغیر میں رہ نہیں سکتا جس کو سننا ہو سُنے، جس کو میری تقریر سننا گوارا نہ ہو، وہ چلا جائے؛ لیکن معاً دونوں لڑکوں یوسف وانعام کو ممبر کے پاس کھڑے کر کے خطبہ پڑھ کر نکاح پڑھ دیا۔ اور پھر اپنے وعظ میں مشغول ہو گئے۔ جلسے کے بعد فرمانے لگے: فلاں لیگی صاحب کو میری تقریر سے گرانی ہو رہی ہوگی۔ میں نے کہا نہیں حضور! جناب الحاج حکیم جمیل الدین صاحب کو جانے کا تقاضا ہو رہا تھا اور انہی کے تقاضے پر میں نے پرچہ بھیجا تھا؛ مگر آپ تو رستے چلتے لیگیوں کے سر ہوتے پھرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر پرچے میں یوں کیوں نہ لکھا کہ حکیم جمیل الدین صاحب جانا چاہتے ہیں۔

نکاح تو ہو گیا؛ مگر وہ گالیاں مجھ پر پڑیں کہ یاد رہیں گی۔ لڑکوں سے تو لوگ واقف نہیں تھے اور میری لڑکیاں ہونے کا اعلان آ ہی گیا تھا، لڑکے دونوں حسین و جمیل اَمرد اور مدنی رومال دونوں کے سروں پر جو میں نے ہی رکھے تھے، جلسے میں جاتے ہوئے دے دیے تھے، دو تین فقرے نقل کراتا ہوں، فقرے تو بہت سے سنے:

۱- ان مولویوں کا بھی کچھ ٹک نہیں، دو خوبصورت لونڈے دیکھے تھے تو لونڈیاں ہی حوالے کر دیں۔

۲- بمبئی کے سیٹھوں کے لونڈے جلسے میں آئے تھے پیسے والا دیکھ کر لڑکیاں ہی دے دیں۔

۳- پہلے سے جانتے ہوں گے ویسے رستے چلتے کیا حوالہ کر دیتے، ارے نہیں، مولویوں کا کچھ ٹک نہیں۔

۴- ہمارے محلّہ کے ایک بڑے متمول، رئیس اعظم، دیندار، متشرع بزرگ نے اپنے گھر جا کر بڑی ہی خوشی اور مسرت سے میری بچیوں کے نکاح کا تذکرہ کیا، ان کی اہلیہ مرحومہ خوب خفا ہوئیں، اللہ تعالیٰ دونوں ہی کی مغفرت فرمائے، کہنے لگیں، گھر میں تو چوہے قلابازیاں کھاویں، کھانے کے واسطے کچھ ہے نہیں، ہر وقت ہمارے دروازہ پر قرض کے واسطے آدمی کھڑا رہتا ہے، وہ یوں نہ کرتا تو اور کیا کرتا؟ تم مجھے سناؤ، اللہ کے فضل سے اللہ میاں نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مال و دولت دے رکھی ہے، خدا نہ کرے کہ میں اپنے بچوں کا نکاح فقیروں کی طرح کروں۔

اس کے بعد چونکہ خاندان کی ساری روایات کے خلاف تھا اور اب تک کوئی نکاح اس طرح نہیں ہوا تھا؛ اس لیے کاندھلہ میں بھی اس نکاح پر چہ می گوئیاں تو بہت ہوئیں۔ ایک صاحب کا فقرہ مجھے پہنچا کہ زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی اور ہم سب کی بھی، بھلا نکاح یوں ہوا کرتے ہیں۔ میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ میری تو کٹی نہیں اور میں نے قاصد سے کہا کہ تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور کہہ دیجیے کہ میں دیکھ کر آیا ہوں، اس کی تو کٹی نہیں اور کسی کی مجھے خبر نہیں۔ تایا سعید مرحوم کیرانوی سابق ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جن کے ساتھ ہمارے خاندانی تعلقات بھی قدیم، حکیم یامین صاحب مہاجر مکی کے نکاح کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکر خیر گزر چکا۔ جب ان کو اِن دو نکاحوں کی خبر ہوئی تو انھوں نے کاندھلہ میں فرمایا کہ اس نے بہت بُری رسم جاری کر دی، بھلا شادیاں اس طرح ہوا کرتی ہیں۔ خیر نہ خبر۔ یہ تو اعزہ کی مسرتوں کا زمانہ ہوتا ہے، مسرت انگیز خبروں کا پہلے سے ذکر تذکرہ ہونا چاہیے، خوشی کی لہر دوڑے، زکریا کو اس کی سزا ملنی چاہیے۔ میں نے بڑے اہتمام سے تایا مرحوم کے پاس اس کا جواب بھیجا کہ جناب کی تجویز بہت مناسب ہے، ضرور اس سیہ کار کو سزا ملنی چاہیے اور سزا جرم کے مناسب ہوا کرتی ہے؛ چونکہ اس سیہ کار نے اعزہ میں

سے کسی کو اپنی بچیوں کے نکاح میں نہیں بُلایا، اس کی سزا یہ ہے کہ اعزہ میں سے کوئی بھی کبھی مجھے اپنی تقریب میں نہ بُلائے تایا سعید مرحوم نے پیام بھیجا، اس کو تو سزا نہیں کہتے، یہ تو تیری عین منشاء کے مطابق ہوگیا، اس کی سزا یہ ہے کہ ہر شخص تجھے اپنی ہر تقریب میں دو مرتبہ بُلائے، ایک مرتبہ اپنی تقریب میں اور دوسری دفعہ سزا میں، گھر کے مَردوں پر تو گرانی خوب سنی؛ لیکن عتاب تایا سعید مرحوم کے علاوہ کسی کا نہیں پہنچا؛ البتہ گھر کی مستورات کی طرف سے خوشیوں کے مسرتوں کے، دعاؤں کے پیامات پہنچے، اللہ تمہیں بہت ہی جزائے خیر دے، بہت ہی اچھا راستہ نکال دیا، اللہ کرے یہ چل پڑے۔ شادیاں تو مصیبت بن گئیں۔ سودی قرض تک سے بھی اب تو پرہیز نہ رہا۔ جس کی عام طور سے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی؛ مگر بھائی زکریا سچی بات ہے کہ بعض بعض گھروں میں تو شادی کی لعنت سے سود تک بھی گھر میں گھس گیا۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے، اللہ یوں کرے، اللہ یوں کرے، فلاں فلاں کے نکاح بھی اسی طرح جلد کرادو۔ (ص: ۳۰۵ تا ۳۰۹)

دولہا شرمایا کرتے ہیں چپ رہو

اس ناکارہ کی دوسری شادی کا مسئلہ بھی بہت ہی معرکۃ الآراء ہے حوادث کے ذیل میں گزر چکا کہ میں نے اپنی پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی سے بہت ہی شدت سے انکار کردیا تھا اور بلامبالغہ بیس پچیس جگہوں سے بہت ہی تقاضے ہوئے اور جن میں بعض کے متعلق حضرت مدنی نے بھی سفارش فرمائی۔ ایک کے متعلق تو حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ بہت اہتمام سے تشریف لائے؛ مگر میں اپنی معذوریوں اور اس وجہ سے کہ ادائے حقوق نہیں کرسکتا، شدت سے انکار کرتا رہا؛ لیکن چچا جان نوراللہ مرقدہٗ نے ہمشیرہ مولوی یوسف مرحوم کے متعلق فرمایا تو پھر

مجھے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہی، اور میں نے عرض کیا کہ پھر نکاح پڑھتے جایئے، انھوں نے کہا کہ تغیّر زوج کے واسطے استیمار کی ضرورت ہے۔ میں دوتین دن میں خط لکھ دوں گا، اس پر چلے آنا، حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی تشریف آوری تو بار بار ہوتی رہتی تھی، مجھے تو اپنا ذکر کرنا بالکل یاد نہیں؛ لیکن معلوم نہیں حضرت کو کس طرح سے علم ہوگیا۔ حضرت کے متعدد اعزّہ اس زمانہ میں یہاں پڑھتے تھے۔ حضرت قدس سرہٗ کو چچاجان کی ابتدائی گفتگو کا علم ہو چکا تھا، انھوں نے مجھ سے بہت اصرار سے ارشاد فرمایا کہ میں ضرور چلوں گا، میں نے عرض کیا کہ میں لے کر نہیں جاؤں گا۔ حضرت نے بار بار اصرار فرمایا، میں نے عرض کیا، حضرت! ہم لوگوں کو بارات وغیرہ کے قصے سے اور زیادہ احتیاط برتنی چاہیے کہ بہت ہی توغل حد سے زیادہ اسراف ہونے لگا ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں باراتی بن کر تھوڑا ہی جاؤں گا۔ حضرت کا خادم بن کر جاؤں گا، میں نے پھر بھی قبول نہیں کیا؛ مگر حضرت قدس سرہٗ کے بھانجے مولوی عبدالرحمٰن شاہ پوری بھی یہاں پڑھتے تھے، میرے یہاں رہتے تھے، حضرت نے ان کو تاکید فرمائی اور کرایہ بھی دیا کہ بہت اہتمام سے خبر رکھیں اور جس دن حضرت دہلوی کا خط بُلانے کا آجاوے، فوراً اگر سواری نہ ملے تو مستقل تانگہ بہٹ کا کر کے مجھے اطلاع کریں مجھے اس کی خبر بھی نہیں ہوئی چچاجان کا والانامہ آنے پر میں نے تجویز کیا کہ کل کو ۱۰ربجے کی گاڑی سے چلا جاؤں، کسی کو لے جانے کا ارادہ نہیں تھا، نہ کسی باراتی کو، نہ کسی خادم کو؛ مگر علی الصباح ۷ر ربیع الثانی ۵٦ھ مطابق ۱۷رجون ۳۷ء پنج شنبہ کو حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ قدس سرہٗ اعلی اللہ مراتبہٗ اللہ بہت ہی بلند درجہ عطا فرماوے، تشریف لے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس گاڑی سے روانگی ملتوی کردوں۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے بھی واپسی کا تقاضا نہیں، دوچار دن ٹھہرنے میں اشکال نہیں؛ لیکن چچاجان یہ تحریر فرما چکے تھے

کہ ۱۰ر بجے کی گاڑی سے آجانا، اسٹیشن پر سواری مل جاوے گی۔ یہ ناکارہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ اور ان کے چندخدّام حافظ عبدالعزیز صاحب، بھائی الطاف وغیرہ کے ساتھ ریل پر پہنچا اوراسی گاڑی سے جس سے ہم لوگ سوار ہونے کا ارادہ کررہے تھے، یعنی ۱۰ر بجے کی گاڑی سے حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہٗ ٹانڈہ سے تشریف لارہے تھے۔ اسٹیشن پر ملاقات ہوئی، حضرت مدنی قدس سرہٗ یہ سمجھے کہ حضرت کی آمد کی اطلاع مجھے ہوگئی اور میرا مستقل معمول تھا کہ جب حضرت کی آمد کی اطلاع ہوتی تو اسٹیشن پرضرورحاضر ہوتا اوراگر حضرت رائے پوری کا سہارنپور میں قیام ہوتا تو حضرت بھی اسٹیشن پرضرورتشریف لے جاتے۔ حضرت مدنی نے ہم دونوں کو اسٹیشن پردیکھ کرارشادفرمایا کہ اچھا میری اطلاع کس طرح ہوئی؟ میں نے تو تارنہیں دیا تھا؛ اس لیے کہ وقت تنگ رہ گیا تھا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کا اپنی آمد پر تار دینے کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرت کے ارشاد پرقبل اس کے کہ میں کچھ کہوں حضرت رائے پوریؒ نے ارشادفرمایا: حضرت کی آمد کی اطلاع نہیں تھی، اِن حضرت کا نکاح ہورہا ہے، حضرت مدنی قدس سرہٗ نے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا: ''اور ہمیں خبر بھی نہیں کی'' حضرت رائے پوری قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت میں بھی زبردستی ساتھ ہوں، انھوں نے مجھے بھی خبرنہیں کی اورساتھ لے جانے سے صاف صاف انکارکردیا کہ میں نہیں لے جاتا۔ میں نے تو جاسوس مقررکررکھا تھا کہ جب حضرت دہلوی کا خط آئے تو مجھے فوراً اطلاع ہوجاوے، کل شام مجھے اطلاع ہوئی صبح ہی حاضر ہوگیا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ نے حضرت رائے پوریؒ کے ہاتھ چچاجان کے پاس پیام بھیجا کہ مولوی الیاس سے کہہ دیں کہ نکاح میں پڑھوں گا، میرے بغیرنکاح نہ ہوگا، میں تواسی گاڑی سے چلتا؛ مگرمستورات بھی ساتھ ہیں، سامان بھی ساتھ ہے، ان کواُتارکراگلی گاڑی سے آجاؤں گا، میں نے اوّل تو رَدکیا کہ حضرت تکلیف نہ فرماویں۔ ایک ڈانٹ اور پڑی۔

میں آپ سے نہیں کہہ رہا ہوں، میں مولوی الیاس کے پاس پیام بھیج رہا ہوں کہ نکاح میں پڑھوں گا، اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر حرج نہ فرماویں جب حضرت کو سہولت ہو تشریف لے آویں۔ حضرت رائے پوری کو بھی دو چار دن نظام الدین کے قیام میں دِقّت نہ ہوگی اور یہ ناکارہ بھی انتظار کرے گا، حضرت نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں، میں شام کو آجاؤں گا۔ یہ قصہ مجھے اسی طرح بہت ہی خوب یاد ہے، کوئی اس میں تردد کسی قسم کا نہیں، حضرت رائے پوریؒ کو مولوی عبدالرحمٰن شاہ پوری کا جا کر اطلاع کرنا اور حضرت اقدس مدنی کا دس بجے کی گاڑی سے اسٹیشن پر ملنا اور مجھے ڈانٹ، یہ سب باتیں خوب یاد ہیں؛ مگر میرے روزنامچے میں تھوڑا سا تغیر ملا جس کا کوئی جوڑ سمجھ میں نہیں آتا اور مجھے نظر نہیں آتا جس سے اندازِ تحریر سے کچھ جوڑ پیدا ہوتا۔ میرے رجسٹر میں حضرت مدنی کا شب پنجشنبہ میں سہارن پور آنا لکھا ہے اور صبح کو ۵ ربجے کی گاڑی سے دیوبند تشریف لے جانا اور حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق لاہور سے کلکتہ میل سے آنا اور اسی ۵ ربجے کی گاڑی سے بندہ کے ساتھ جانا لکھا ہے۔ حضرت رائے پوریؒ کا تین بجے آکر ۵ ربجے جانا عقل میں نہیں آتا۔ معلوم نہیں کہ لکھنے میں کیا اشتباہ ہوا۔ اس بات میں رجسٹر اور یاد دونوں برابر ہیں کہ دیوبند تک حضرت مدنی ساتھ تشریف لے گئے اور دیوبند اُتر کر شام کی گاڑی سے دہلی تشریف لے گئے اور یہ ناکارہ اور حضرت رائے پوری دونوں اسی گاڑی سے سیدھے دہلی چلے گئے۔ رجسٹر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت میرٹھی مظفرنگر سے اسی گاڑی سے میرٹھ تشریف لے گئے اور شام کو وہ بھی دہلی پہونچ گئے۔ سہارنپور سے دیوبند تک حضرت مدنی قدس سرہٗ بہت ہی مسرت کے ساتھ تفریح فرماتے رہے اور اپنی اٹیچی کھول کر عطر اگر کی بند شیشی نکالی اور کھول کر تیل کی طرح سے ہاتھ کی ہتھیلی پر سارا اُلٹ کر اس سیہ کار کے میلے کھدّر کے کرتے پر مَل دی۔ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کی حیات تک ان کے

خوف کے مارے ہمیشہ کھدّر کا کرتا پہنتا تھا؛ اس لیے کہ اس سیاہ کار پر حضرت مدنی کا یہ شفقت وکرم بھی تھا بغیر کھدر کا کرتا اگر میرے بدن پر دیکھتے تو فوراً بلاتکلف پھاڑ دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کھدّر کے میلے کُرتے پر یہ بڑھیا عطر کیوں ضائع فرمارہے ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ کھدّر پر عطر خوب مہکتا ہے۔ میں نے عرض کیا ع

کَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلٰی خالصۃ

حضرت ہنس پڑے، حضرت اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے عطر ملتے جاتے تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ نائی دولہا کے عطر ملا کرتا ہے، ساری شیشی ختم کردی اور شام کی گاڑی سے دہلی پہونچ گئے۔ ایک غلط فہمی سے شب کو مسجد عبدالرب میں قیام ہوا اور اگلے روز جمعہ کو علی الصباح نظام الدین تشریف لے گئے اور بعد نمازِ جمعہ اس سیاہ کار کا نکاح بمہر فاطمی پڑھا، زکریا نے عرض کیا کہ مہر فاطمی مجمل ہے اور مختلف فیہ بھی ہے، سِکّہ رائج الوقت سے اس کی تعیین فرمائی جائے۔ حضرت نے نہایت تبسم سے اور زور سے فرمایا کہ دولہا شرمایا کرتے ہیں چپ رہو۔ میں نے عرض کیا کہ دین میں حیا جائز نہیں ہے یہ مسئلہ کی بات ہے، حضرت نے فرمایا کہ پانچ سو درہم۔ میں نے کہا کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے، سکہ رائج الوقت بتلائیے۔ فرمایا کہ تقریباً ایک سوتینتیس (۱۳۳) روپے ہوتے ہیں، زکریا کے اس مناظرہ کو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے کسی رسالہ میں جو اس وقت نکلتا تھا تفصیل سے لکھا ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ تو اسی وقت شام کو ۵ ربجے واپس تشریف لے آئے اور انھیں کے ساتھ حضرت میرٹھی بھی واپس تشریف لے آئے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کو دہلی کے اسٹیشن پر چھ ماہ تک دہلی میں عدمِ داخلہ کا نوٹس دیا گیا اور زکریا مع اہلیہ یعنی والدہ طلحہ اور حضرت رائے پوری مع خدام وعزیزان مولوی یوسف وانعام ۱۲ رنفر اتوار کی صبح کو ۴ ربجے کی گاڑی سے چل کر ۸½ بجے

سہارنپور پہنچے اور ہم سب کا کرایہ حضرت اقدس رائے پوری نے دیا اور حضرت نے اپنی طرف سے زکریا کے ولیمہ کا اعلان فرمایا، جس کو راؤ یعقوب علی خاں نے عملی جامہ پہنایا اور حضرت میرٹھی بلا طلب ۹ر بجے کی گاڑی سے ولیمہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ زکریا نے درخواست کی تھی کہ ولیمہ میں شرکت نہ فرماویں۔ (ص: ۳۱۳ تا ۳۱۷)

حضرت تھانویؒ کی حضرت مدنیؒ سے دلی عقیدت

جب یکم محرم ۵۱ھ میں سِول نافرمانی اور قانون شکنی کے جرم میں مظفرنگر کے اسٹیشن پر سے حضرت مدنیؒ کو گرفتار کر کے جیل بھیجا گیا اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کو اِس کی اطلاع ملی تو ظہر سے عصر تک کی مجلس میں حضرت مدنیؒ کی گرفتاری پر نہایت ہی رنج و غم اور قلق کا اظہار فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس کا احساس نہیں تھا کہ مجھے مولانا حسین احمد صاحب سے اتنا تعلق ہے اور جب کسی شخص نے حاضرینِ مجلس میں سے یہ عرض کیا کہ حضرت! گورنمنٹ نے کوئی ظلم تو کیا نہیں، اس نے تو صرف دہلی کے داخلے پر بندش لگائی تھی، وہ تو خود ہی قانون شکنی کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ آپ اس فقرے سے مجھے تسلی دینا چاہتے ہیں۔ حضرت امام حسینؓ بھی تو یزید کے مقابلے کے لیے خود ہی تشریف لے گئے تھے، یزید نے ان کو جبراً تو قتل نہیں کیا تھا؛ لیکن حضرت امام حسینؓ کا غم تو ساری دنیا آج تک نہیں بھولی۔ میں بھی کہاں سے کہاں چلا گیا۔ (ص: ۳۸۱، ۳۸۲)

الکوکب الدری کے مطالعہ کا اہتمام

میرے حضرت مدنی قدس سرہٗ کو ترمذی کے سبق میں الکوکب الدّری کے دیکھنے کا بہت اہتمام تھا اور طلبہ کو ترغیب بھی فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مستقل سفر دیو بند

سے سہارنپور کا اوجز وکوکب کے سلسلے میں فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آپ نے کوکب کا حاشیہ لکھا ہے یا اوجز کا اشتہار دیا۔ ہر جگہ دو تین لفظ لکھ کر لکھ دیتے ہیں کہ والبسط في الأوجز ایک دفعہ کوکب دیکھواور ایک دفعہ اوجز دیکھو۔

حضرت اکثر بہت ہی شفقت سے کوکب اور اوجز کے مضامین پر اصل ماخذ کا بھی مطالبہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ نے کہاں سے لکھ دیا، اس کا ماخذ دکھلایئے۔ اس کے متعلق بعض واقعات تالیفات میں گزر گئے۔ ایک اہم واقعہ تو جزءالاستحاضہ میں گزر گیا۔

ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ نے میری دیوبند حاضری پر یہ ارشاد فرمایا کہ تم نے اوجز کے کتابُ الحج میں ایک ایسی اچھی بات لکھی ہے جس سے بہت ہی دل خوش ہوا اور امام بخاری کے بہت سے اعتراضات تمہاری تقریر سے اُٹھ گئے۔ حضرت سبق کو تشریف لے جا رہے تھے اور میرا حضرت کے ارشاد پر ندامت سے کچھ ایسا سر جھکا کہ تفصیل نہ پوچھ سکا کہ میری کون سی تحریر تھی جس سے امام بخاری کے جملہ اعتراضات ختم ہو گئے۔ بعد میں بھی کئی مرتبہ خیال آیا؛ مگر حیا کی وجہ سے نہ پوچھ سکا۔ (ص: ۴۰۴)

لامع الدراری کی تصنیف میں حضرت مدنی کا کردار

لامع الدراری بھی دراصل حضرت کے شدید اصرار پر لکھی گئی، کوکب کے بعد سے حضرت اس کی طباعت کا بہت ہی اصرار فرما رہے تھے، اور میں اوجز کی تکمیل کا عذر کر دیتا۔

ایک مرتبہ بہت ہی قلق سے فرمایا کہ میرے سامنے طبع ہو جاتی، تو میں بھی متمتع ہوتا، میرے بعد طبع کروگے تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ بہت ہی قلق اور رنج ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت کے مرض الوصال اور شدتِ علالت میں بہت ہی زور باندھ کر چار صفحے اس کے چھاپے تھے، جو حضرت کی خدمت میں مستقل آدمی کے ہاتھ بھیجے تھے، جو وصال کے وقت بھی حضرت کے سرہانے رکھے رہے؛ مگر میرا مقدر کہ حضرت قدس سرہٗ کی زندگی میں

کم از کم ایک ہی جلد طبع ہو جاتی۔ تو بے حد مسرت ہوتی؛ لیکن مقدرات کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ اللہ جل شانہٗ لامع کا اجر وثواب حضرت کو مرحمت فرماوے کہ حضرت ہی کے حکم سے لکھی گئی۔ (ص:۴۰۴)

حضرت مدنی اور حضرت شیخ کا باہم علمی رابطہ

حضرت قدس سرہٗ سے علمی گفتگو بھی خوب ہوتی اور مناظرے بھی خوب ہوتے تھے، بہت سے مضامین کو اس ناکارہ نے ''افاداتِ حسینیہ'' کے نام سے جمع بھی کر رکھا ہے، جس کا تذکرہ تالیفات میں گزر چکا ہے۔ خطبات کی تالیف میں جو حضرت کثرت سے لکھا کرتے تھے، اکثر کسی طالبِ علم کے ہاتھ پر چہ بھیج دیتے کہ فلاں فلاں حدیث کے حوالے بھیج دو۔ میں بڑے اہتمام سے اسی وقت لکھ کر بھیجا کرتا تھا۔ (ص:۴۰۵)

اب تو حدیث بھیج دی اب کیا کسر ہے؟

حضرت مدنی قدس سرہٗ دستی پنکھے کے بہت مخالف تھے، کچے گھر میں جب کوئی جھلنے کھڑا ہوتا تو ڈانٹ سنتا، میں خوشامد کرتا۔ تو مجھ پر بھی ڈانٹ پڑ جاتی۔ ایک مرتبہ حضرت نے بہت زور سے فرمایا کہ کسی حدیث میں اس کا ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو بجلی کے پنکھے کا بھی ثبوت نہیں ملا، جو حضرت کے کمرے میں لگا ہوا تھا۔ حضرت ہنس پڑے۔ اس کے بعد میں نے ایک حدیث حضرت بلال کے مسجد میں جماعت کو پنکھا کرنے کی نقل کر کے بھیجی اور جب اگلی مرتبہ حضرت تشریف لائے تو میں نے ایک لڑکے سے کہا کہ حضرت کو پنکھا کر، اب تو حدیث بھیج دی اب کیا کسر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ غیر معروف کتاب کی حدیث بھیجی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ساری احادیث معروف ہی کتابوں میں ہیں۔ (ص:۴۰۵)

بدن دبانے کا ثبوت

اسی طرح ارشاد فرمایا کہ یہ بدن دبانے کا ثبوت کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مباحات میں ہر ایک کے لیے حدیث تلاش کرنا بڑا مشکل ہے، باقی اس کی حدیث تو میں تلاش کر کے بھیج دوں گا؛ چنانچہ دوسرے دن ایک طالبِ علم کے ہاتھ بھیج دی۔ (ص:۴۰۵)

اخیر شب میں مطالعہ اور علمی کام کا معمول

اس ناکارہ کا دستور رات کو کام میں مشغول رہنے کا خوب رہا اور ساری رات جاگنا معمولی بات تھی، حضرت قدس سرہٗ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری اس چیز پر بڑا رشک آتا ہے میری تو یہ مصیبت ہے کہ جہاں عشاء کے بعد کتاب ہاتھ میں لی نیند کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ بیٹھنا مشکل ہوتا ہے، اخیر شب میں کتاب دیکھنے کی حضرت کی خصوصی عادت تھی اور یہ ناکارہ اس سے عاجز تھا تھوڑی دیر سو کر ایک دو بجے اُٹھ کر صبح تک کتاب دیکھنا حضرت کے یہاں بہت معمولی چیز تھی، بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ حضرت تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ ایک مضمون لکھنا ہے اس کے ماخذ نشان رکھ کر میرے سرہانے رکھ دو، اس وقت شروع رات میں دیکھنا میرے بس کا نہیں، اُٹھ کر دیکھوں گا۔ میں جن کتابوں میں فوراً ملتا وہ حضرت کے سرہانے رکھ دیتا۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ معاہدات یہود کی ضرورت ہے، اس کی روایات جہاں جہاں ہوں اور اس قسم کے جہاں مضامین ہوں نشانات لگا کر رکھ لینا، کل رات کو یہاں سوؤں گا، حوالہ نقل کر کے لے جاؤں گا۔ (ص:۴۰۵،۴۰۶)

مودودیت سے متعلق مسلسل تین شب اور دو دن علمی مذاکرہ

ایک دفعہ حضرت قدس سرہٗ رمضان ٹانڈہ گزار کر تشریف لائے، اتفاق سے

حضرت رائے پوری ثانی بھی سہارنپور تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نے حسبِ معمول تار دیا اور میں صبح کو دس بجے اسٹیشن پر حاضر ہوا اور حضرت رائے پوری میرے ساتھ اسٹیشن تشریف لے گئے، یہ حضرت رائے پوری کی مستقل عادت تھی کہ جب ان کے قیام سہارنپور میں حضرت مدنی تشریف لاتے اور میں اسٹیشن پر جاتا تو حضرت ضرور تشریف لے جاتے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ حضرت رائے پوری سے مل کر بہت ہی خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم دونوں کی مجھے بڑی ضرورت ہورہی تھی، میں تم دونوں سے ایک اہم مشورہ کرنے کا ارادہ کررہا تھا، اس وقت مستورات ساتھ ہیں، سامان بھی ہے۔ میں ان سب کو دیوبند پہنچا کر اگلی گاڑی سے واپس آجاؤں گا۔ حضرت کا قیام یہاں کب تک ہے قبل اس کے کہ حضرت رائے پوری کچھ ارشاد فرماویں۔ مجھ گستاخ کو پیش قدمی کی عادت ہمیشہ رہی، میں نے عرض کیا کہ حضرت کا ارادہ آج ہی جانے کا تھا، جناب والا کی خبر سن کر ملتوی کیا تھا اور شام کو واپسی کا ارادہ ہے؛ مگر اب جب بھی حضرت والا تشریف لاویں ان حضرت کا قیام یہاں ضرور رہے گا، آپ فوراً واپسی کا ارادہ ہرگز نہ فرماویں۔ جب سہولت ہو بہت اطمینان سے کل یا پرسوں تشریف لے آویں، حضرت تشریف رکھیں گے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ بالکل نہیں، میں حضرت کا حرج بالکل نہیں کرنا چاہتا۔ سامان اور مستورات وغیرہ کو پہنچا کر ابھی واپس آتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت بالکل نہیں، ان حضرت کو نہ تو بخاری کا سبق پڑھانا اور نہ مؤطا کی شرح لکھنی، ان کو تو نور پھیلانا ہے، رائے پور کی جگہ دو تین دن سہارنپور بیٹھ کر نور پھیلا دیں گے۔ دونوں حضرات بہت ہنسے اور میرے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ نے بہت زور سے میری بات کی تائید کی کہ ہاں حضرت انھوں نے صحیح فرمایا، میں تو بے کار ہوں، نہ مجھے یہاں کوئی کام اور نہ وہاں۔ میں جب تک حضرت تشریف لاویں گے خوشی سے انتظار کروں گا؛ مگر حضرت مدنی قدس سرہٗ

دوسری گاڑی سے فوراً تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز کے بعد مدرسہ کے قدیم مہمان خانے میں جواَب کتب خانہ کا جزو بن گیا، شرقی دیوار کی طرف دونوں اکابر تشریف فرما تھے، دیوار کے قریب تکیے رکھے ہوئے تھے اور سامنے خادمانہ دوزانو بیٹھنے سے میں عرصہ سے معذور ہوں چوزانو بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت مدنی نے فرمایا کہ مودودیوں کی کتابوں کے براہِ راست دیکھنے کی نوبت کبھی نہیں آئی، کچھ تراشے لوگ بھیجتے رہے اور کچھ احوال خطوط سے معلوم ہوتے رہے، ان ہی پر میں رائے قائم کرتا رہا، تم دونوں کا موقف اس سلسلہ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کا دستور تو دیکھنے والے سینکڑوں موجود ہیں، ان کا ایک عام ارشاد تھا کہ میں تو اِن حضرت (یعنی یہ ناکارہ) کے پیچھے ہوں۔ جو یہ حضرت فرماویں گے وہی میری رائے ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ دونوں کی جوتیوں کی خاک اپنے سر پر ڈالنا باعثِ نجات اور فخر اور موجبِ عزت سمجھتا ہوں؛ لیکن مودودیوں کے بارے میں اگر آپ کوئی حکم متفقہ میری رائے کے خلاف دیں گے تو بہت ادب سے عرض کروں گا کہ تعمیل حکم سے معذور ہوں۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ ہے ہمارے جوتوں کی خاک کی حقیقت، حضرت رائے پوری خوب ہنسے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت تقریباً میں پانچ سو کے قریب کتابیں امسال دیکھ چکا ہوں، جو زبردستی مجھے دکھلائی گئیں اوران پر میرے اشکالات ایک جگہ نوٹ ہیں؛ چنانچہ تالیفات کے سلسلہ میں اس کا ذکر گزر بھی چکا ہے، حضرت اطمینان سے تشریف لاویں تو میں اصل کتابوں کی عبارتیں آپ کے سامنے پیش کروں گا جن پر مجھے اشکالات ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں دودن بعد دوشب قیام کے لیے آؤں گا، اس کے بعد کوئی رائے قائم کروں گا۔ مجلس ختم ہوگئی اور دونوں حضرات شام کو اپنے اپنے گھر چلے گئے، دودن بعد حضرت قدس سرہٗ مولانا اعزاز علی صاحب کو لے کر تشریف لائے اور دودن مستقل قیام فرمایا،

مہمان خانہ قدیم وہ کمرہ جو دارالافتاء کے نیچے ہے اور اب کتب خانہ کا جزء ہے اور مدرسہ کے زینہ کے منتہا پراس جانب کواڑ بھی لگے ہوئے تھے، غالباً اب نہیں رہے۔ صبح کو چائے کے بعد مَیں اور حضرت قدس سرہٗ اور مولانا اعزاز علی صاحبؒ زینے والے کواڑوں کی زنجیر لگا کر اس کمرہ میں بیٹھ جاتے تھے۔ حضرت کئی کئی ورق اوّل سے آخر تک مسلسل پڑھنے کے بعد نشان لگا کر مولانا اعزاز علی صاحب کو دیتے کہ یہاں سے یہاں تک عبارت نقل کر دو۔ کبھی کبھی قاری سعید صاحب مرحوم کو بھی نقل کی یا کسی افتاء کی کتاب کی مراجعت کے لیے بلالیا جاتا۔ تین شب دو دن مسلسل ان دونوں حضرات کا یہاں قیام رہا اور شہر میں جیسا عوام کی عادت ہوا کرتی ہے خوب قیاس آرائیاں ہوئیں کہ یہ کیا اہم مسئلہ درپیش ہو رہا ہے۔ عام طور سے لوگ سیاسی مسائل کے اوپر رائے زنیاں کرتے؛ مگر اونچے لوگ اس کی تردید کر دیتے کہ سیاسی میں شیخ الحدیث اور مفتی کی کیا ضرورت ہے کوئی علمی مسئلہ ہوگا، سامنے جنگلے پر سے لوگ کھڑے ہو کر کئی کئی گھنٹے گھورتے رہتے، بعض سیاسی اونچے لوگ آتے اور اپنے علوِشان کی بنا پر کواڑ کھلوانا چاہتے، آوازیں دیتے تو میں اپنی جگہ سے اٹھتا نہیں، اشارے سے انکار کر دیتا، حضرت کچھ آڑ میں کو ہوتے تھے اور کچھ آگے کو ہوتے تھے، پورے نظر نہیں آتے تھے، نیچے مدرسہ والوں سے کہہ رکھا تھا کہ جو آوے اس سے کہہ دیجیو کہ بارہ بجے سے پہلے ملاقات نہیں ہوگی یا پھر عصر کے بعد، عصر سے مغرب تک مجلسِ عامہ رہتی اور مغرب سے عشاء تک سیاسی لیڈروں کے حضرت سے تخلیہ کی ملاقاتیں اور کھانا عشاء کے بعد پھر میں ہمرکاب مہمان خانہ میں پہونچ جاتا۔ ایک دو گھنٹہ تو حضرت کتابیں دیکھتے پھر ارشاد فرماتے بھائی! ہمیں تو نیند آ گئی۔ نشان رکھ کے چلے جاؤ، اور مولانا اعزاز علی صاحب کو اس عشاء کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں کچھ حضرت والا بتا دیتے وہ ان کو نقل کرتے رہتے۔ بات پر بات یاد آ جاتی ہے۔ (ص: ۴۰۶ تا ۴۰۸)

تین راتیں ہوگئیں سوئے ہوئے

میرے حضرت مدنیؒ کا ایک بڑا عجیب دستور میرے ساتھ سالہا سال یہ رہا اکثر مہینے دو مہینے میں ایک پھیرا کبھی تو سونے کے مد میں ہوتا اور کبھی کوئی اہم مضمون لکھنے کے واسطے حضرت تشریف لاتے اور فرماتے تین رات ہوگئیں سوئے ہوئے، نیند کا بڑا اخمار ہے، دیوبند میں سونے کی جگہ بالکل نہیں۔ میں نے سوچا تیرے یہاں سوؤں گا۔ میں عرض کرتا ضرور میں کچے گھر میں گرمی میں باہر اور سردی میں اندر کمرے میں چارپائی بچھا کر حضرت کو لٹا کر کسی تیل ملنے والے کو سرہانے بٹھا کر اور باہر کا قفل لگا کر تالی اپنے ساتھ لے کر اوپر چلا جاتا، لوگ مولوی نصیر سے مطالبہ کرتے کہ قفل کھول دو، وہ کہتے کہ تالی تو میرے پاس نہیں وہ تو اوپر ہے۔ اوپر ہر شخص کے جانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی؛ لیکن اونچے لوگ جن کے نام لکھنا تو مناسب نہیں سمجھتا، اوپر پہنچ جاتے اور مجھ پر اصرار فرماتے کہ ضروری کام ہے کواڑ کھول دو۔ میں اوّل تو ذرا متانت سے عرض کرتا کہ حضرت کئی روز کے جاگے ہوئے ہیں، سونے ہی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ ایسی حالت میں جناب کو تو خود ہی چاہیے؛ مگر بعض بڑے آدمی ذرا اپنی علوشان کی وجہ سے اس جواب کو بھی اپنی توہین سمجھتے، تو میں کہتا کہ آپ کو تو حضرت کا یہاں تشریف لانا معلوم نہیں تھا، آپ یوں سمجھیے کہ دیوبند ہیں، کار لے کر دیوبند تشریف لے جائیے اور وہاں جا کر جب یہ معلوم ہو کہ سہارنپور گئے ہوئے ہیں تو واپس آ کر مجھ سے کواڑ کھلوائیے، اتنے وقت ہو ہی جائے گا، بعض لوگ تو نصیر ہی کے پاس سے واپس ہوجاتے تھے اور بعضے اوپر جا کر میرے پہلے یا دوسرے جواب پر خواستہ یا ناخواستہ واپس آجاتے؛ لیکن بعضے لیڈر اس پر بھی زور دکھلاتے تو پھر میں بھی زور دکھلاتا، میں کہتا کواڑ تو نہیں کھلیں گے۔ آپ کا جب تک جی چاہے تشریف رکھیے، میرا بھی حرج ہوگا۔

مناسب یہ ہے کہ باہر بوریے پر تشریف رکھیے، مجھے بڑا لطف آتا، جب عتابات اور گالیاں سُنتا۔(ص:۴۰۸، ۴۰۹)

مجھے جیل کی کوٹھریوں کی عادت ہے

باتیں تو کئی یاد آ گئیں؛ لیکن میں نے اوپر لکھا تھا دو مد تھے تشریف آوری کے، دوسرا مد جس کے لیے حضرت اہتمام سے تشریف لاتے کسی اہم مضمون کا لکھنا ہوتا تھا وہ اگر طویل ہوتا یعنی ایک دو روز کا ہوتا تو حسین آباد تشریف لے جاتے، دو چار گھنٹہ کا ہوتا تو ایک گاڑی سے یہاں تشریف لے آتے اور وہی سارا منظر جو اوپر سونے کے سلسلے میں گزرا وہی یہاں بھی ہوتا۔ حضرت قدس سرہٗ کا معمول گرمی ہو یا سردی اگر شب کو سونے کی نوبت آتی تو کچے گھر ہی میں آرام فرماتے تھے، سردی میں تو کوئی دقت نہ تھی؛ لیکن گرمی میں بہت ہی اصرار کرتا کہ مدرسہ کی چھت پر بہت ہی اچھی ہوا آئے گی۔ منت خوشامد کرتا حضرت فرماتے کہ مجھے جیل کی کوٹھریوں کی عادت ہے۔(ص:۴۰۹)

میں تو کچے گھر ہی میں سوؤں گا

ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ اور مولانا عزیر گل صاحب اور دو مہمان مغرب کے وقت تشریف لائے۔ علی الصباح گنگوہ جانا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ گرمی بڑی شدید ہے برسات کا زمانہ تھا، آج تو مدرسہ کی چھت پر بڑے کمرے میں چارپائی بچھوادوں، بڑی اچھی ہوا آئے گی، حضرت نے فرمایا کہ میں تو کچے گھر ہی میں سوؤں گا، ان لوگوں کے لیے بچھوادیجیے۔ میں نے مولانا عزیر گل صاحب سے اللہ ان کو بہت ہی خوش رکھے، پوچھا کہ آپ کی وہاں چارپائیاں بچھوادوں جو مولانا عزیر گل سے کبھی مل چکا ہوگا وہ ان کے طرزِ گفتگو سے خوب واقف ہوگا۔ کہنے لگے کہ

ہم بھی وہیں مریں گے جہاں یہ مرے گا؛ چونکہ اس زمانے میں گھر والے نہیں تھے؛ اس لیے میں نے بقیہ حضرات کی چار پائیاں زنانے مکان کی سہ دری میں بچھوادیں کہ وہاں فی الجملہ ہوا تھی۔ (ص:۴۱۰)

حضرت مدنی کی آہ سحر گاہی

ایک بات اور یاد آ گئی اور یہ بھی یاد نہیں کہ کہیں اور لکھوا چکا کہ نہیں۔ حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری ثانی کا معمول یہ رہا کہ سفر ہو یا حضر، ان دونوں حضرات کی چار پائی مجمع سے علیحدہ ہوتی تھی اور یہ ناکارہ اس ضابطہ سے دونوں کے یہاں مستثنیٰ تھا، ایک مرتبہ آبھہ حضرت مدنی تشریف لے گئے، یہ سیہ کار بھی ساتھ تھا، حسبِ معمول سب رفقاء کی چار پائیاں مختلف کمروں میں بچھیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کی چار پائی میرے ہی کمرے میں ہوگی۔ آبھہ والے بھی حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ بے تکلف تھے، کہنے لگے کہ حضرت جی یہ کیا بات ہے کہ خادم لوگوں کی چار پائیاں تو دُور ہوں ان کی کیا خصوصیت ہے کہ حضرت ہی کے پاس ہو، قبل اس کے کہ حضرت قدس سرہٗ جواب مرحمت فرماویں، میں بول پڑا کہ میں اس کی وجہ بتلاؤں، وہ یہ کہ یہ دونوں حضرات رات کو بہت مشغول رہتے ہیں اور آدمیوں کے قرب سے ان کا حرج ہوتا ہے اور میں تو ایسا ہوں جیسے تمہاری یہ بکری یہاں بندھ رہی ہے۔ ایک چار پائی کے قریب وہ بھی بندھی ہوئی ہے ایک میں بھی سہی، جانوروں سے حرج نہیں ہوتا، آدمیوں سے ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اکابر میں اپنے والد صاحب اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کو اخیر شب میں بہت ہی آواز سے روتے سنا، بسا اوقات ان اکابر کے رونے سے مجھ جیسے کی آنکھ بھی کھل جاتی تھی، جس کی آنکھ سونے کے بعد بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ ہندی کے دوہے بڑے درد سے پڑھا کرتے تھے، میں ہندی

سے واقف نہیں؛ اس لیے مضامین کا تو پتہ نہیں چلتا تھا؛ لیکن رونے کا منظر اب تک
کانوں اور دل میں ہے، جیسے کوئی بچہ کو پیٹ رہا ہو اور وہ رو رہا ہو۔ (ص: ۴۱۰، ۴۱۱)

ہمت و جفاکشی

ہمت و جفا اور مشقت اٹھانا تو میں نے اپنے سارے اکابر میں حضرت مدنی کی
برابر کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ۱۲؍ربیع الاوّل کے موقع پر حضرت سہارنپور تشریف
لائے ہوئے تھے اہلِ شہر نے اصرار کیا کہ آج ہمارے یہاں سیرت کا جلسہ ہے۔
زکریا نے کہہ دیا کہ اب مولود کا نام سیرت ہو گیا۔ نہ معلوم حضرت مدنی قدس سرہٗ کس
خیال میں تھے، سختی سے انکار فرما دیا کہ میں نہیں آؤں گا اور خوب ڈانٹا کہ تم لوگوں کو
عقیدت ساری ۱۲؍ربیع الاوّل ہی کو آتی ہے، سال میں کبھی توفیق ہوتی ہے جلسہ
کرنے کی؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم تو ہر وقت متمنی رہتے ہیں کوئی مانتا نہیں، سناتا
نہیں۔ حضرت نے فرمادیا کہ کوئی سننے کے لیے تیار ہو، تو میں سنانے کے لیے تیار
ہوں۔ لوگوں نے اپنی حماقت سے استقبال کا خوب اظہار کیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے
ہر ہفتہ تشریف لانے کا وعدہ فرمالیا اور جمعرات کی رات اس کے لیے متعین ہوگئی؛ اس
لیے کہ جمعہ حضرت کا کئی کئی ماہ کا پہلے سے موعود ہوتا تھا، تقریباً چار ماہ مسلسل اگر کسی
دوسری جگہ کا طویل سفر نہ ہوتا تو حضرت جمعرات کی شب میں ساڑھے آٹھ بجے کی
گاڑی سے تشریف لاتے، اسٹیشن سے سیدھے جامع مسجد جاتے اور نماز کے بعد وعظ
شروع فرماتے۔ ساڑھے بارہ ایک بجے اس سیہ کار کے مکان پر تشریف لاتے؛ چونکہ
مجھے معمول معلوم تھا اور میری پہلی اہلیہ مرحومہ کو حضرت قدس سرہٗ کے لیے کھانے یا
پینے کی چیزوں کا بہت ہی زیادہ اہتمام تھا، وہ بارہ بجے چائے کا پانی رکھ دیتی اور
حضرت کی آواز اوپر چڑھنے کی جب آتی کہ میرا قیام اس وقت اوپر کے کمرے میں

تھا تو چائے دم کرتی اور زور سے کھڑکا کرتی اور میں جلدی سے آ کر چائے لے جاتا۔
حضرت پر اس وقت چونکہ تعب ہوتا تھا؛ اس لیے پیتے تو تھے رغبت سے اور بار بار مجھ
سے فرماتے کہ آپ اس غریب کو ناواقف ستاتے ہیں، میں عرض کرتا کہ میں نے نہیں
کہا، اس نے اپنے شوق سے خود پکائی اور چونکہ مجھے معلوم ہوتا تھا؛ اس لیے چار پائی
اور بستر پہلے سے تیّار ہوتا، حضرت چائے پی کر آرام فرماتے۔ (ص: ۴۱۰، ۴۱۱)

اختیاری سونا اور اختیاری جاگنا

میں نے اختیاری سونا اور سوکر اختیاری جاگنا اپنے اکابر میں صرف حضرت قدس
سرہٗ اور حضرت مدنی میں دیکھا۔ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کو بارہا دیکھا کہ ریل پر
تشریف لے جا کر گاڑی اگر دس پندرہ منٹ لیٹ ہوتی تو حضرت فرماتے کہ میں تو
اتنے سولوں گا اور کوئی خادم جلدی سے بستر پلیٹ فارم پر کھول دیتا اور حضرت تکیہ پر سر
رکھتے ہی سو جاتے اور دس منٹ کے اندر خود اُٹھ جاتے۔ میرے حضرت قدس سرہٗ کبھی
کبھی یہ بھی ارشاد فرماتے کہ سونے کے ارادے کے بعد مجھے اکثر تکیہ پر سر رکھنے کی
بھی خبر نہیں ہوتی ہے۔ یہ مقولہ میں نے اپنے چچا جان سے بھی اکثر سنا کہ ماہِ مبارک
میں وتروں کے بعد چار پائی پر تشریف لے جا کر تکیہ پر سر رکھنے سے پہلے ہی آنکھ لگ
جاتی تھی۔ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کا معمول ماہِ مبارک میں تراویح کے بعد فوراً سونے کا
تھا اور بارہ بجے اُٹھ کر سحر تک کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے کا تھا اور جہر سے قرآن پاک
پڑھتے۔ صبح کو اذان کے ساتھ ہی نماز ہو جاتی اور اس کے بعد خود مصلّے پر بیٹھ کر اشراق
تک اوراد و وظائف پڑھتے اور خدام کو تقاضا کر کے سلا دیتے۔ کہاں سے کہاں
چلا گیا۔ بہر حال حضرت مدنی قدس سرہٗ کی نیند اس قدر قابو کی تھی کہ سینکڑوں دفعہ
میرے یہاں رات دن میں آرام فرمانے کی نوبت آئی اور میں نے حضرت کی
راحت کی وجہ سے بارہا اس کی کوشش کی کہ کوئی حرکت نہ ہو۔ اور کوئی نہ بولے چاہے

گاڑی نکل جائے؛ مگر حضرت قدس سرہٗ گاڑی سے آدھ گھنٹہ پہلے ایک دم اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔اس ہفتہ واری آمد میں بھی رات کو ساڑھے چار پر گاڑی جاتی تھی اور چار بجے سے پانچ سات منٹ قبل اُٹھ جانا طے شدہ تھا۔ میں حضرت کے اٹھتے ہی کسی شخص کو تانگے کو بھیجتا اور پہلی اہلیہ مرحومہ اس وقت بھی چائے تیار رکھتی۔ اس وقت کی چائے پر حضرت زیادہ ناراض ہوتے تھے کہ میں دیوبند جا کر پی لوں گا، چائے کے وقت پہونچ جاؤں گا۔ میرے اصرار پر کبھی تو پی لیتے اور کبھی عتاباً انکار فرما دیتے تھے۔ کیا کیا مناظر آنکھوں کے سامنے آ گئے، پُرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ (ص: ۴۱۲)

مدینہ پاک کے لیے پودے لے جانے کا قصہ

ایک دفعہ حضرت قدس سرہٗ تانگہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ وقت تنگ ہے، مدینہ پاک کے لیے درخت خریدنے ہیں کہ حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، فرمایا کہ تانگہ پر بیٹھ جاؤ، تانگہ ہی میں ملاقات ہو جائے گی، ٹھہرنے کا وقت نہیں ہے جلدی واپسی ہے۔ میں نے جلدی سے مولوی نصیر کو آواز دی اور ان کو بھی تانگہ میں اس خیال سے بٹھالیا کہ حضرت تو درخت خرید کر خود ہی اُٹھالیں گے اور مجھے شرم آئے گی، اور مجھ سے اُٹھنے مشکل ہوں گے؛ اس لیے نصیر اُٹھالیں گے۔ راستہ میں حضرت نے فرمایا کہ حج کو نہیں چلتے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس وقت بڑی مشغولی ہے، اسے نصیر کو لیتے جاویں کرایہ میرے ذمہ اور بقیہ اخراجات کھانے پینے کے آپ کے ذمّے۔ حضرت نے فرمایا کہ ضرور میں نے اور حضرت قدس سرہٗ نے نصیر پر بہت ہی اصرار کیا؛ مگر اس نے بھی عذر کر دیا۔ اتنے میں ایک بہت لمبی چوڑی تعمیر آ گئی۔ قربان حاں مرحوم کے باغ میں جانا تھا جن کا دفتر تو شاہ مدار میں تھا پہلے وہاں گئے، ان کا دوسرا باغ کچہری سے دُور تھا وہاں جاتے ہوئے اس تعمیر پر کو

گزرے، میں نے پوچھا کہ کیا ہے اس لیے کہ مجھے کبھی چالیس سالہ قیام سہارنپور میں وہاں جانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو نہیں جانتے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضرت میں تو یہاں کبھی نہیں آیا۔ فرمایا کہ یہ کچہری وہ دیوانی ہے یہ کلکٹری ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ حضرت کی برکت نے کچہری تک تو پہونچا دیا، آپ جیل بھی پہونچا کر رہیں گے۔ فرمایا کہ تم لوگوں کی اس بے تعلقی نے انگریزوں کو ہم پر مسلط کر رکھا ہے، تم کچہری سے اتنا ڈرتے ہو جیسے سانپ سے ڈرتے ہو۔ فرمایا کہ ہمارے مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کے پاس ایک دفعہ ایک میراث کے مسئلہ کی تصدیق کے لیے سمن پہونچ گیا، کچہری آنے کے ڈر سے بخار آ گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت جناب والی قوت کہاں سے لاویں۔ فرمایا کہ یہ سب بزدلی کی باتیں ہیں۔ غرض بہت سے پودے خریدے۔ حضرت قدس سرہٗ کا ہمیشہ معمول رہا کہ جب کبھی مدینہ پاک تشریف لے جاتے تو سیّد محمود صاحب کے باغ کے لیے بہت سے بیج پھلوں اور پھولوں کے اور بہت سے پودے کئی کئی ٹوکروں میں لے جاتے، خاص طور سے آم کے پودے کثرت سے لے جاتے؛ مگر ہمیشہ خراب ہو گئے بالآخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے دو تین درخت بارآور ہو گئے، گزشتہ سال ۸۹ھ میں جب مدینہ پاک قیام تھا تو سیّد صاحب زادمجدہم نے اپنے باغ کے آم خوب کھلائے، اللہ تعالیٰ بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔ آم تو گزشتہ سال اللہ کے فضل سے مدینہ پاک میں ہندوپاک، افریقہ، لندن، بحرین، شام وغیرہ نہ معلوم کتنے ملکوں کے کھائے۔ احباب اپنی شفقتوں سے دوسرے تیسرے دن کہیں نہ کہیں سے لاتے ہی رہتے تھے، شاید ہندوستان سے زیادہ ہی کھانے کی نوبت آئی ہو۔ میں بھی شتر بے مہار کی طرح سے کبھی ادھر چلا جاتا ہوں اور کبھی ادھر۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی کیا کیا شفقتیں لکھواؤں۔ (ص: ۴۱۲ تا ۴۱۴)

عود کی شیشی

حضرت اقدس کا معمول تقسیم سے پہلے تک سلہٹ کثرت سے تشریف بری کا تھا اور جب بھی تشریف لے جانا ہوتا تھا، تو اس سیہ کار کے لیے ایک عطر عود کی بڑی شیشی لانے کا معمول تھا۔ ۶۰ھ میں حضرت قدس سرہٗ نے ایک عطر عود کی شیشی مرحمت فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ ستر سال کا ہے اور ستر روپے تولہ اس کی قیمت ہے، اس کا قانون یہ ہے کہ اس کی قیمت میں ایک روپیہ سالانہ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے، اب چونکہ یہ ستر سال کا ہے، اس لیے اس وقت اس کی قیمت ستر روپے ہے، میں نے بھی اس کو بڑی احتیاط سے اس پر چٹ لگا کر اور یہی عبارت لکھ کر ایک ڈبہ میں محفوظ رکھ دیا تھا، اپنے بخل کی وجہ سے خود تو اب تک استعمال نہیں کیا؛ البتہ گزشتہ سال ۸۹ھ میں حضرت قدس سرہٗ کے برادر خورد حضرت الحاج سیّد محمود صاحب کی خدمت میں اس کا ایک ربع پیش کیا تھا، اگر میرے مرنے کے وقت کسی کو یاد رہے اور مل جاوے تو اس میں سے تھوڑا سا میرے کفن پر بھی مَل دیں۔ اس وقت ۹۰ھ میں تو اس کی قیمت سو روپے فی تولہ ہوگئی ہوگی؛ کیونکہ اس کی عمر سو سال ہے۔ واقعی شیشی کھولنے سے کمرہ مہک جاتا ہے۔ (ص: ۴۱۴)

جہاں کا وعدہ ہے وہاں کا ہے

ایک قصہ لکھوانے کا تو نہیں ہے؛ مگر میرے دوستوں کا اصرار ہے کہ ضرور لکھواؤں۔ حضرت کی شفقتیں تو بے پایاں تھیں اور جتنی حضرت کی شفقتیں بڑھتی جاتی تھیں، میری گستاخیاں بڑھتی جاتی تھیں۔

ایک دفعہ کچھ تذکرہ اکابر کا اور جنت کا چل رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت

جنت میں میرے بغیر جانا نہیں ہوگا۔ حضرت نے نہایت سادگی میں بلا تامل فرمایا کہ ہاں ضرور۔ ایک سال بعد بلکہ اس سے بھی زیادہ میرے تو ذہن میں بھی نہیں رہا، حضرت تشریف لائے، میں دارالطلبہ تھا، مجھے آدمی بلانے گیا، اتنے میں آتا رہا، ایک صاحب مدرسہ کے قریب ہی اپنے گھر آموں کے لیے لے گئے۔ میں جب دارالطلبہ سے آیا تو معلوم ہوا کہ فلاں صاحب کے یہاں چلے گئے ہیں۔ وہاں پہونچا تو آم بھیگے ہوئے تھے اور حضرت تشریف فرما میرا انتظار فرما رہے تھے۔ میں نے کہا کہ ایسا کیا تقاضا تھا پہلے ہی تشریف لے آئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر جگہ ساتھ لے جانے کا وعدہ تو نہیں کر رکھا، جہاں کا وعدہ ہے وہاں کا ہے۔ مجھے اس قدر مسرت اور حیرت ہوئی کہ حضرت کو ایک سال کے بعد تک کیسے یاد رہا۔ اس کے بعد تو پھر ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ اپنی مغفرت کی بھی ڈھارس بندھ چلی؛ ورنہ ﴿وَ امۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ۝۵۹﴾ کا خوف غالب رہتا تھا اور ہے، اللہ تعالیٰ نے ان اکابر کی جوتیوں میں اس سیہ کار کو بھی جگہ دے دے تو اس کے لطف و کرم سے کیا بعید ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی شفقت و محبت کے قصے لاتعد ولاتحصیٰ ہیں اور یاد بھی بہت ہیں، بہت سی چیزوں میں خودنمائی بھی مانع ہوجاتی ہے۔ (ص:۴۱۵)

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

ایک دفعہ اس سیہ کار کو معمولی سا بخار ہوا کسی جانے والے طالب علم سے حضرت نے خیریت دریافت کی۔ اس نے کہہ دیا بخار ہو رہا ہے۔ حضرت اسی وقت اسی گاڑی سے تشریف لے آئے اور کچے گھر کے دروازے میں قدم رکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

تعاللتِ كي أشجىٰ وَمَا بِكِ عِلّةٌ
تُريدين قتلىٰ قد ظفرتِ بذلكِ

میں ایک دم حضرت کی آمد پر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا اچھے خاصے ہو، شور مچا رکھا ہے بخار کا۔ میں نے عرض کیا، میں نے حضور کی خدمت میں کون سا تار یا ٹیلیفون کیا تھا کہ میں مر رہا ہوں۔ فرمایا ساری دنیا میں شور مچ گیا بخار کا، بخار والا یوں نہیں کھڑا ہوا کرتا۔ میں نے عرض کیا۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

اور واقعی ہوا بھی ایسا ہی۔ حضرت کی تشریف آوری کی برکت سے بخار جاتا رہا۔ (ص: ۴۱۵،۴۱۶)

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر

ایک ادا حضرت مدنی قدس سرہٗ کی بڑی پسند آیا کرتی تھی، ایک ادا کیا ادائیں تو ہزاروں؛ بلکہ لاکھوں اور ایک سے ایک بڑھ کر۔

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

میں نے بارہا دیکھا کہ جب حضرت مدنی قدس سرہٗ کی آمد حضرت مرشدی سیّدی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایسے وقت ہوتی جب حضرت کا درس جاری ہوتا تو بہت خاموشی سے آکر قاری کی برابر بیٹھ جاتے، نہ سلام نہ مصافحہ نہ ملاقات اور جب قاری حدیث ختم کرتا تو اس کو اشارہ سے روک کر خود حدیث کی قراءت شروع کر دیتے، اس سے میرے حضرت کو حضرت مدنی کی آمد کا حال معلوم ہو جاتا اور سبق کے ختم پر سلام اور مصافحہ وغیرہ ہوا کرتا، اللہ جل شانہٗ اس سیہ کار کو بھی حسنِ ادب کی توفیق عطا فرمائے۔ جب حضرت کراچی جیل سے تشریف لائے اس وقت کا منظر ہمیشہ آنکھوں

کے سامنے رہے گا۔ حضرت مرشدی قدس سرہٗ مکان تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت مدنی اسٹیشن سے تشریف لا رہے تھے، مدرسہ قدیم کی مسجد کے دروازے پر آمنا سامنا ہوا، حضرت مدنی قدس سرہٗ حضرت مرشدی قدس سرہٗ کے ایک دم قدموں میں گر پڑے۔ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے جلدی سے پاؤں پیچھے کو ہٹا کر سینہ سے لگایا اور طرفین کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ (ص:۴۱۶)

حضرت مدنی کے بڑے بھائی کی شفقتیں

حضرت مدنی قدس سرہٗ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سیّد احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اعلی اللہ مراتبہ کی شفقتیں تو اس سیہ کار پر اس وقت سے رہیں جب میری عمر ڈھائی برس تھی، جیسا کہ میں اپنی گنگوہ کی حاضری کی ابتداء میں لکھ چکا ہوں اور مدینہ پاک سے اخیر زندگی تک روضۂ اقدس کی خاک وغیرہ بھیجنے کا معمول اخیر تک رہا اور ۴۵ھ میں جبکہ اس سیہ کار کا قیام مدینہ پاک میں رہا اس وقت کی شفقتوں کا تو پوچھنا ہی کیا جس حجرہ میں میرا قیام تھا، اس میں رطب اور جب رطب کا زمانہ نہ ہوتا تو ایک صندوق عمدہ کھجوروں کا ہر وقت بھرا رہتا تھا، میں کھاتا اور بانٹتا، اگلے دن صبح کو وہ پھر پُر کر دیا جاتا ایک ڈبہ تازہ پنیر کا بھرا رہتا، ایک زیر زمزم شریف سے پُر رہتی۔ اور کیا کیا بتاؤں علی الصباح ایک مستقل برّاد (کیتلی) دودھ کی چائے جس میں مشک وعنبر خوب پڑا ہوتا، میری قیام گاہ پر آجاتی۔ یہ تو لمبی داستانیں ہیں اس وقت تک تو ان کا ایک گرامی نامہ جو میرے والد صاحب کے انتقال پر تعزیت کے سلسلے میں آیا تھا وہ اتفاق سے سامنے نظر پڑ گیا، اس کے لکھوانے کو میرا بھی جی چاہا۔ مستقل عنوان تو کوئی مولانا مرحوم کا ہے نہیں اور اگر لکھا جائے تو بہت طویل مضمون ہو جائے؛ لیکن اس خط کے نقل کرانے کو میرا بھی جی چاہا، بڑے مزے کا ہے؛ اس لیے تبعاً حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے حالات ہی میں نقل کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے:

بسم اللہ

عزیزم میاں مولوی محمد زکریا صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

از جانب خاکسار سیّد احمد غفرلہٗ۔ بعد اہدائے سلام مسنون الاسلام آں کہ احقر بخیریت رہ کر صحت وعافیت تمہاری مع جملہ کچے بچے کا خواست گار رہے، اگرچہ آپ مدرس ہوگئے ہیں، ہم جیسے دُور اُفتادہ کو کیوں خیال میں لانے لگے؛ مگر اوّل تو اس عاجز کو آپ کے والد بزرگوار سے اور مرحوم کو اس نابکار سے کچھ ایسا تعلق مخلصانہ تھا جس کی وجہ سے اگر آپ خدانخواستہ بے اعتنائی بھی برتو گے تو ایں جانب علیہ الرحمۃ والغفر ان ایسے نہیں ہیں کہ چپکے ہوکر بیٹھ رہیں۔ الحاصل حافظ محمد یعقوب صاحب کے خط سے آپ کے والد ماجد صاحب مرحوم کا اس دارِفانی کو چھوڑ کر دارِجاودانی کی طرف منتقل ہونا معلوم ہوکر جو کچھ اثر قلب پژمردہ؛ بلکہ مُردہ پر ہوا ہے۔ عالم الغیب ہی جانتا ہے؛ مگر عزیزم کیا کیا جائے، بجز انا للہ وانا الیہ راجعون کے چارہ نہیں، اسی پر صلوات من ربّھم اانعام ملنے کی توقع ہے۔ اب آپ کو چاہیے سرّ لأبیہ کا کرشمہ کر دکھاؤ جیسے کہ وہ اپنے کمالات علمی واخلاقی کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، تم بھی اپنے آپ کو ویسا ہی ثابت کرو۔ ؎

إن الفتیٰ من یقول ھا أنا ذا
لیس الفتیٰ من یقول کان أبي

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں عرصہ ہوا ایک عریضہ ارسال کیا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد دوسرا عریضہ بھائی مقبول صاحب کی خدمت میں ارسال کیا؛ مگر تعجب ہے کہ آج تک کسی کا جواب نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں راستہ میں ضائع ہوا۔ آپ مہربانی کرکے دونوں حضرات ونیز جملہ واقفین کی خدمت میں مؤدبانہ سلام عرض کردیں اور خصوصیت سے حضرت مولانا مدظلّہم اور مولانا رائے پوری

مدظلہم کی خدمت اقدس میں زبانی یا بذریعہ تحریر اس عاجز کی طرف سے نہایت ادب سے سلام مسنون کے بعد دعائے فلاحِ دارین کی التجا کر دیں اور اگر ہمت کر کے دو چار پیسہ کا ٹکٹ خرچ کر کے اس عاجز کو مدینہ منورہ کے پتہ پر دو چار حرف خیر و عافیت وغیرہ کے لکھ بھیجیں تو آپ کی سعادت مندی سے بعید نہیں معلوم ہوتا۔ میاں الیاس کو بھی ایک خط لکھا ہے؛ مگر وہ تو ہمیشہ کے سست درست اپنے مطلب میں چست ہیں، ہم جیسے نابکاروں کی دلداری کی کیا پرواہ کریں گے؛ مگر یاد رہے گی کہ خدانخواستہ یہ سراپا عصیاں ہندوستان میں آ گیا تو ایسی خبر لے گا کہ وہ بھی یاد کریں گے اور اگر خدانخواستہ وہ مدینہ منورہ آ گئے تو پھر کیا پوچھنا۔ ہندوستان کا راستہ ہی نہ بھلا دیا تو کہنا۔ اب اینجانب علیہ الرحمۃ عنقریب ملکِ شام کو طلاقِ مغلظہ دے کر دو چار روز میں مدینہ منورہ کو بھاگا چاہتے ہیں، بس گویا کہ پابرکاب ہیں۔ کیا عجب ہے کہ راستہ میں قدس شریف کی بھی زیارت سے شرف حاصل ہو، نہیں تو سوئز ہوتے ہوئے ینبوع میں جا کودیں گے اور پھر کیف خلقت پر سوار ہو کر منزلِ مقصود کی راہ لیویں گے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہم کے واسطے ایک سماوار مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہم نے خرید کر ارسال کرنے کے واسطے ارشاد فرمایا تھا۔ اپنی بدنصیبی کے اثر سے کچھ کا کچھ ہو گیا۔ اب جا کر دیکھیں گے، مل گیا تو روانگی کی فکر کریں گے۔ میاں زکریا یاد رکھو، اگر میرے خط کا جواب نہ دیا تو پھر میں روٹھ جاؤں گا، پھر کتنا بھی مناؤ گے منوں گا ہی نہیں، بس اور زیادہ بات چیت نہیں کرتا۔

اس کے بعد یہ عبارت بھی تھی جس کو مولانا مرحوم نے قلم زد کر دیا تھا:

''اگر شکل اوّل کا نتیجہ ظہور پذیر ہو، تو اس کو دعا و پیار نہیں تو موجبِ تاخیر کیا ہے۔ اینجانب علیہ الرحمۃ کے نتیجہ صاحب تو اپنی ماں کو بھی لے گئے، اکیلے رہنا گوارا نہیں ہوا۔ اور طُرفہ یہ کہ خود تو مدینہ میں اور اماں جان تبوک میں۔ فقط''۔

سیّد احمد غفرلہٗ ۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۳۷ھ

حضرت مولانا کے والا نامے میں سماوار کے سلسلہ میں جو لفظ ہے کہ ''کچھ کا کچھ ہوگیا'' اس لفظ میں اشارہ اس حادثۂ عظیمہ کی طرف ہے جب کہ مدینہ کے بالکلیہ انخلاء کا حکومت ترکیہ نے اپنے آخری دَور میں حکم کیا تھا اور حضرت مولانا سیّد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اڈریانوپل (شام) کی طرف منتقل کیے گئے تھے۔ اس کا مختصر حال حضرت مدنی قدس سرہٗ کی خودنوشت سوانح (نقشِ حیات) جلد اوّل ص ۴ پر ہے۔ شام سے واپسی کے متعلق جو مولانا نے اس خط میں لکھا ہے وہ اسی طویل غیبت سے واپسی کا ذکر ہے اور جب ۳۸ھ میں اس ناکارہ کی پہلی حاضری حجازِ مقدس ہوئی اس وقت مولانا سیّد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نئے نئے واپس شدہ تھے۔ حضرت مولانا سیّد احمد صاحب قدس سرہٗ کے مکاتیب کا بھی بڑا ہی ذخیرہ اس سیہ کار کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور جو ظرافت ومحبت کا نمونہ اوپر کے خط میں ہے اسکے نمونے بھی ان خطوط میں بہت ملیں گے۔ بالخصوص ۳۸ھ کے بعد سے وصال تک روز افزوں سلسلہ بڑھتا ہی رہا، ۴۶ھ کے بعد سے چونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ شرعیہ کا حساب اور ہندوستان کا چندہ، مدرسہ شرعیہ کی روداد کا شائع ہونا بھی اس سیہ کار سے متعلق ہوگیا تھا؛ اس لیے کوئی ہفتہ بھی لمبے چوڑے خط سے خالی نہ جاتا تھا اور اس کے درمیان میں لطائف وظرائف اور محبت آمیز فقرے کثرت سے ہوتے تھے، ان کے ایک شاگرد رشید الحاج عبدالحمید جو آج کل جدہ کے کسی بڑے عہدہ پر فائز ہیں ۴۵ھ میں میری مدینہ پاک سے واپسی کے بعد ان کی شادی ہوئی، میں اور مولانا مرحوم خوب چاہتے رہے کہ میرے سامنے ہوجائے؛ مگر مقدر نہ ہوا، میری مدینے سے روانگی کے کچھ دنوں بعد ہوئی۔ تو حضرت مولانا مرحوم نے ایک پُرظرافت خط لکھا تھا کہ آپ کی روانگی کے بعد آپ کے عبدالحمید صاحب دولہا بن گئے ہیں، چناں چنیں۔ میں نے آپ کی طرف سے پانچ گنی (اشرفی) ان کے نکاح میں خرچ کرکے آپ کے حساب میں درج کردی ہیں۔ میں نے بھی اس کے جواب میں ترکی بہ ترکی ان کو دولہا بنے ہوئے نہ دیکھنے کی حسرت اور شادی میں عدمِ شرکت پر قلق

اور پانچ گنی کی قلت پر افسوس لکھ دیا۔ اب تو میرا بہت ہی دل چاہ رہا ہے کہ حضرت مولانا سیّد احمد صاحب کی شفقتیں اور کچھ خطوط نقل کراؤں؛ مگر وقت نہیں ہے۔ جو چیزیں علی گڑھ میں لکھوا چکا ہوں وہیں پوری ہوجائیں تو غنیمت ہے۔ (ص:۴۱۶ تا ۴۲۰)

تقسیم ہند کے ہنگامی حالات: چند واقعات

۲۸/ذی الحجہ ۶۶ھ مطابق ۱۲/نومبر ۴۷ء کو حضرت مدنی قدس سرہٗ نور اللہ مرقدہٗ دیوبند سے روانہ ہوکر شب کو مظفرنگر میں قیام فرما کر دوپہر کو بڑی دقت سے دہلی پہونچے۔ وہاں گاندھی جی، جواہر لال نہرو نے اس پر بہت ہی قلق اور اظہارِ افسوس کیا کہ آپ اس قدر مشقت اور تکلیف اُٹھا کر تشریف لائے ہیں، آپ اطلاع کرادیا کریں، سرکاری ٹرک آپ کو لایا کرے گا، وہی لے جایا کرے گا اور اس وقت بھی ان لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ کے لیے ایک سرکاری ٹرک تجویز کیا جو حضرت کو دیوبند لے جائے اور چار فوجی گورکھا اس پر ہتھیاروں سے مسلح حفاظت کے لیے مقرر ہوئے۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس ناکارہ کو نظام الدین اطلاع کرائی کہ میں سرکاری ٹرک میں فوجی پہرہ کے ساتھ دیوبند جارہا ہوں، تمہاری مستورات (جو سب نظام الدین والدہ ہارون کی شدتِ علالت کی وجہ سے ۲۱/شعبان ۶۶ھ سے گئی ہوئی تھیں اور وہاں ہی محبوس تھیں) کو اس وقت میرے ساتھ جانے میں سہولت رہے گی۔ میں تو پہلے ہی سے آنے کے لیے سوچ رہا تھا۔ مستورات کی آمد کے لیے اس سے زیادہ آسان صورت کوئی نہ تھی۔ اس لیے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طیبِ خاطر سے نہیں؛ بلکہ قلق سے سب کو اجازت دے دی۔ اور ۳/محرم ۶۷ھ مطابق ۱۷/نومبر ۴۷ء دوشنبہ کی صبح کو حضرت نے اپنا ٹرک نظام الدین بھیج دیا۔ اور زکریا مع مستورات اور مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے طرفین کی آبدیدہ نگاہوں کے ساتھ رخصت

ہوکر سوار ہو گئے۔ وہ ٹرک چاروں طرف سے پردوں سے بند تھا اور چاروں کونوں پر چار گورکھا مسلح کھڑے ہوئے تھے۔ آگے کے حصہ میں حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ اور عزیز مولوی عبدالمجید مرحوم اور عالی جناب محمود علی خاں صاحب رئیس کیلاشپور جو اتفاق سے دہلی گئے ہوئے تھے اپنی ریوالور کے ساتھ آگے بیٹھے تھے، اور یہ ناکارہ مستورات کے ساتھ پیچھے تھا، نو بجے دہلی سے چل کر ے رمیل کے قریب پہنچے تھے کہ دفعتاً ٹرک خراب ہو گیا، بہت ہی دقت اور مشقت سے اس کو دھکے لگائے، مستورات کو اُتارنا مشکل تھا؛ لیکن حضرت مدنی قدس سرہٗ نے باوجود اپنے ضعف و پیری کے بدنی قوت سے زیادہ اپنی روحانی قوتوں کے ذریعہ اس کو بنفسِ نفیس دھکیلا۔ حضرت ہی کی برکت سے وہ چل سکا؛ ورنہ اس قدر سخت وزنی تھا کہ ہم چند ضعفاء کے قابو کا نہیں تھا۔ ہم لوگوں کے دھکیلنے سے وہ ذرا بھی جنبش نہ کرتا۔ حضرت قدس سرہٗ کے زور سے ہی وہ حرکت کرتا تھا، بہت مشکل سے پانچ چھ گھنٹے میں سونتا تک پہونچا، وہاں ایک مدرسہ بچوں کا تھا، گاؤں والے اور مدرسہ والے حضرت قدس سرہٗ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ اور وہ لوگ اپنے یہاں سے مکئی، چاول وغیرہ جس قسم کی بھی ان کے یہاں روٹیاں تھیں اور ساگ وغیرہ لے کر آئے؛ چونکہ میرے ساتھ عورتیں تھیں؛ اس لیے مدرسہ کا ایک حصہ خالی کر کے مستورات کو پہونچایا، اور میں اور حضرت قدس سرہٗ مسجد میں چلے گئے اور فوجی ٹرک کو درست کرتے رہے۔ ٹیلیفون تو وہاں کوئی تھا نہیں۔ ایک فوجی گاڑی ادھر سے جاتی ہوئی ملی، ان فوجیوں نے ان کے ذریعہ کوئی پیام بھی بھیجا، مغرب کے بعد وہ ٹرک درست ہوا، انھوں نے چلنے کا تقاضا کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے ساتھ مستورات ہیں، بے وقت جانے میں دِقت ہے، اب صبح کو چلیں گے؛ مگر وہ فوجی گورکھے کہاں مانتے، زیادہ اصرار کیا، تو جلدی جلدی عشاء کی نماز پڑھی، کھانا کھایا، ٹرک میں چونکہ چاروں طرف پردہ تھا اور چاروں کونے پر فوجی تھے؛ اس لیے

راستہ میں بحمد اللہ کسی نے تعرض نہیں کیا، مظفرنگر آکر حضرت قدس سرہٗ نے ایک حکیم صاحب کے مکان پر ٹرک ٹھہرا کر مجھ سے یہ فرمایا کہ دیوبند میرے جانے کے بعد یہ آگے نہیں جائیں گے، تم کو مستورات کی وجہ سے دِقت ہوگی۔ میں مظفرنگر سے دیوبند دن میں آسانی سے چلا جاؤں گا۔ حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے ان حکیم صاحب کے مکان پر خوب زنجیریں بجائیں، میرے سامنے تو کواڑ کھلے نہیں، حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم کو دیر ہو رہی ہے اور فوجی لوگوں کو بھی خوب تقاضا ہو رہا تھا؛ اس لیے مظفرنگر سے براہِ روڑ کی سہارنپور صبح کے چار بجے پہونچے۔ (ص: ۴۷۳ تا ۴۷۵)

معرکۃ الآراء مشورہ

۱۰ رمحرم ۶۷ھ دوشنبہ کی صبح کو حضرت مدنی قدس سرہٗ ڈیڑھ بجے تشریف لائے اور کار میں گنگوہ تشریف لے گئے۔ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ بھی دوشنبہ کی صبح کو حضرت مدنی کی آمد کی خبر پر دوشنبہ کی صبح کو ہی تشریف لے آئے تھے؛ مگر حضرت مدنی اسٹیشن سے سیدھے گنگوہ تشریف لے گئے تھے؛ اس لیے نظام سفر واپسی کا معلوم نہ ہوسکا؛ اس لیے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ حضرت مدنی کا دن بھر انتظار فرما کر بعد عصر واپس تشریف لے گئے۔ مغرب بعد حضرت واپس تشریف لائے اور حضرت رائے پوری کی آمد وانتظار وواپسی کا حال معلوم ہوا تو علی الصباح بہٹ تشریف لے گئے اور وہاں جاکر جب معلوم ہوا کہ حضرت تو رائے پور جاچکے تو پیچھے پیچھے رائے پور تشریف لے گئے اور دونوں اکابر عصر سے پہلے سہارنپور تشریف لائے اور بعد مغرب وہ معرکۃ الآراء مشورہ ہوا جس کا بہت سی جگہ اس زمانے میں رسائل واخبارات میں ذکر آیا تھا۔ علی میاں نے بھی حضرت رائے پوری کی سوانح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں دہلی سے واپسی پر حضرت مدنی قدس سرہٗ سے اور سہارنپور آمد پر

حضرت رائے پوری سے عرض کر چکا تھا کہ دہلی میں بہت زور واصرار میرے اور عزیز یوسف کے پاکستان چلے جانے پر رہا؛ مگر میں آپ دونوں حضرات کے مشورے پر اپنے سفر کو معلق کیے ہوئے ہوں اور عزیز یوسف کا سفر مجھ پر موقوف ہے۔ رائے پور میں اسی دن حضرت اقدس رائے پوری بھی اشارۃً اس قسم کا ذکر کر چکے تھے کہ پنجاب والوں کا مجھ پر بھی زور ہورہا؛ مگر میں نے حضرت والا اور حضرت شیخ کے مشورے پر موقوف کررکھا ہے؛ اس لیے یہ دونوں حضرات مشترک طور پر واپس تشریف لائے اور بعد مغرب کچے گھر میں یہ سیہ کار اور دونوں اکابر مشورے کے لیے جمع ہوئے اور اس کی ابتداء حضرت رائے پوری نے اس عنوان سے کی کہ حضرت! (خطاب حضرت مدنی کو تھا) اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی پنجاب کے تھے اور حضرت قدس سرہٗ (اعلیٰ حضرت رائے پوری) کے متعلقین بھی زیادہ تر ان ہی دو جگہ کے تھے۔ مشرقی تو سارا مغربی کی طرف منتقل ہوگیا، ان سب حضرات کا بہت اصرار ہورہا کہ میں بھی پاکستان چلا جاؤں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بھی حضرت اقدس رائے پوری کو پاکی مسلمانوں کی ضرورتوں کا بار بار احساس دلاتے تھے اور خود اپنا جانا بھی حضرت رائے پوری کی تشریف بری پر محوّل کیے ہوئے تھے اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ میرا تو مکان بھی مغربی میں ہے اور ان سب مظلومین کی دلداری بھی اسی میں ہے شروع رمضان ہی سے ان کا اصرار ہورہا ہے؛ مگر آپ دونوں حضرات کے مشورے پر میں نے معلق کررکھا ہے۔ یہاں تو پھر بھی اللہ کے فضل سے اہل اللہ ہیں؛ مگر وہاں اللہ اللہ کرنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا۔ کچھ شہید ہوگئے، کچھ اُجڑ گئے اور تقریباً حضرت کی گفتگو کا رُخ یہ تھا کہ وہاں قیام ضروری ہے۔ اس سب کو سن کر حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ ہماری اسکیم تو فیل ہوگئی؛ ورنہ نہ تو یہ قتل وغارت ہوتا اور نہ یہ تبادلۂ آبادی

ہوتا۔ حضرت مدنی کا فارمولہ یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں، داخلی اُمور میں سب خودمختار، خارجی اُمور فوج، ڈاک خانہ وغیرہ سب مرکز کے تحت مرکز میں ہندو مسلم سب برابر ہوں گے۔ ۴۵-۴۵، اور ۱۰ جملہ اقلیتین۔ گاندھی جی نے تو اس کو منظور کرلیا تھا؛ مگر مسٹر جناح نے اس کا انکار کردیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نہ کشت وخون کی نوبت آتی اور نہ تبادلۂ آبادی کی، اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا، اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے اور محمود وہاں بلانے پر اصرار بھی کررہا ہے؛ مگر ہندوستانی مسلمانوں کو اس بےسروسامانی اور دہشت اور قتل وغارت گری میں چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا اور جسے اپنی جان ومال، عزت وآبرو، دین اور دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو وہ یہاں ٹھہرے اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جاوے۔ حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ میں تو حضرت ہی کے ساتھ ہوں۔ حضرت اقدس رائے پوری نے فرمایا کہ تم دونوں کو چھوڑ کر میرا جانا بھی مشکل ہے۔ میں نے تو اس گفتگو کو کسی سے نقل نہیں کیا اور توقع ان حضرات سے بھی معلوم نہیں ہوئی؛ لیکن عشاء کی نماز پڑھتے ہی عمومی شور ہر شخص کی زبان پر سنا کہ اکابر ثلاثہ کا فیصلہ یہاں رہنے کا ہوگیا ہے اور پھر ان ہی دونوں بزرگوں کی برکت تھی اور اصل تو اللہ ہی کا انعام واحسان تھا کہ ایک دن پہلے تک جو لوگ تشویش میں تھے وہ اگلے دن اطمینان کی سی باتیں کررہے تھے۔ یہ زمانہ بھی قیامت کی یاد کو بہت ہی تازہ کررہا تھا اور دنیا کی بےثباتی ہر شخص پر ایسی مسلط تھی کہ بڑے بڑے قیمتی قیمتی برتن تانبے، لوہے کے بہت ہی معمولی پیسوں میں فروخت ہوئے۔ دہلی میں نیلام ہوتے تھے اور تانبہ کے برتن بلامبالغہ دوڈھائی آنہ سیر فروخت ہوتے، رئیس لوگ اپنی کاروں میں نظام الدین اسپیشلوں میں سوار ہونے کے لیے جاتے اور کار اسٹیشن پر چھوڑ کر ریل میں سوار ہوجاتے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کئی

مرتبہ افسوس سے فرمایا کہ یہ لوگ سڑکوں پر عمدہ کاریں چھوڑ کر جارہے ہیں، اگر جمعیۃ کو دے جائیں تو ان کو فروخت کر کے جمعیۃ کے کام میں لایا جاسکتا ہے، اب اسطرح لاوارثی مال کو کیا کام میں لایا جاوے۔ لاقانونیت اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ اس کے قصے بھی بہت ہی ناقابلِ تحریر ہیں، اس زمانے میں دہلی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجات عطا فرماوے، سارے دن دہلی کے فساد زدہ علاقوں میں نہایت بےجگری سے پھرتے تھے، مسلمانوں کو دلاسہ دیتے۔ اور گالیاں سنتے؛ مگر اللہ ان کو مراتبِ عالیہ نصیب فرماوے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تحمل اور برداشت خوب عطا فرمایا تھا۔ (ص: ۵۷۷ تا ۵۷۸)

وسعت ظرفی اور حسن سلوک

اور ان سے بڑھ کر میرے حضرت مدنی قدس سرہٗ تھے۔ سارے ہندوستان کا اسی خطرہ کے زمانے میں دَورہ فرماتے اور مصائب پر ان کا اجر سناتے، بڑے لانبے لانبے دَورے حضرت کے مسلمانوں کو جمانے کے سلسلہ میں ہوئے، ایک چیز پر مجھے بہت ہی رشک آیا، نہایت شدید مخالف، معاند لیگی جنھوں نے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو منہ در منہ بہت کچھ کہا اور سنایا حضرت ان کو بھی بہت ہی تسلی کے خطوط تحریر فرماتے اور خود جاکر ان کو دلاسہ دلاتے اور ایسی گفتگو فرماتے جیسے یہ حضرت کا بہت ہی معین و مددگار رہے۔ مجھے دو آبے کے متشدد لیگیوں کے متعلق خود سننے کی اور حضرت قدس سرہٗ کے گرامی نامے دیکھنے کی نوبت آئی کہ گھبرائیں نہیں ان شاءاللہ حالات کسی وقت سازگار ہوں گے، آپ کو جو تکلیف پیش آوے مجھے لکھیں میں ان شاءاللہ ہر نوع کی مدد کروں گا۔ بعض لیگیوں کی سفارش کے لیے ہندو حکام کے پاس بھی تشریف لے گئے، جن کے نام میں لکھوانا نہیں چاہتا؛ مگر حضرت کے علوشان کی داد ہمیشہ دوں گا کہ

جن لوگوں نے حضرت کی شان میں غائبانہ اور منہ درمنہ سخت سخت الفاظ کہے حضرت نے ان کی سفارشیں اور اِس بات تک کی ضمانتیں لیں کہ اب یہ لوگ آپ کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے؛ مگر لیگی حضرات کو اس پر بھی اعتماد نہ ہوا اور نہ حضرت کی اس سفارش کی قدر فرمائی اور پاکستان چلے گئے، حضرت کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجات سے نوازے۔ اس زمانے میں حضرت قدس سرہٗ پر تأثر بہت تھا، بسااوقات تقریروں میں کسی کسی بات پر آبدیدہ بھی ہوجاتے تھے۔

وہ محرومِ تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے
کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

اللهم اغفر له وارحمه رحمة واسعة

(ص:۵۸۰،۵۸۱)

مدرسہ کی تنخواہ کے ساتھ کثرت اسفار کی وضاحت

ایک دفعہ اس سیاہ کار نے حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ سے عرض کیا کہ آپ کی جلالتِ شان کی وجہ سے کوئی کہہ سکے یا نہ کہہ سکے؛ لیکن مدرسہ کی تنخواہ کے ساتھ یہ اسفار کی کثرت بہت سوں کے لیے موجبِ اشکال ہے، حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ نے وہ شرائط نامہ جو مولانا انورشاہ صاحب کی تشریف بری اور حضرت شیخ الاسلام کی دارالعلوم میں ابتدائی تقرر کے وقت طے ہوا تھا، مجھے مرحمت فرمایا کہ آپ اسے پڑھ لیجیے، اس میں تو واقعی اتنی وسعت تھی کہ حضرت قدس سرہٗ کے اسفار اس کے مقابلہ میں بہت کم ہوتے تھے، جتنی ممبران کی طرف سے حضرت کو اجازت دی گئی، وہ وقت ہی ایسا تھا کہ دارالعلوم کی موت وحیات حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی آمد پر موقوف تھی۔ کانگریسی اخبارات اور رسائل جو دارالعلوم کی مخالفت میں بہت زوروں پر تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کی تشریف آوری پر ایسے ساکت ہوئے کہ پھر

کوئی مخالفت کی زوردار آواز نہیں نکلی؛ البتہ بعض حضرت کے مخالفین کی طرف سے چندہ کی کمی وغیرہ کے الزامات قائم کیے گئے؛ مگر حضرت قدس سرہٗ نے دارالعلوم کے چندہ میں جو مساعی جمیلہ اس وقت فرمائی ہیں وہ اس ناکارہ کو خوب معلوم ہیں، ہر سفر میں بڑی بڑی رقمیں حضرت لے کر آتے تھے اور دارالعلوم میں غلّہ اسکیم کے سالانہ جلسہ کی بنیاد بھی حضرت نوراللہ مرقدہٗ ہی نے ڈالی تھی۔ (ص:۸۹۱، ۸۹۳)

حضرت مدنی اور حضرت شیخ کی مکاتبت میں اشعار کی کثرت

اس ناکارہ کا معمول ماہِ مبارک میں تقریباً چالیس سال سے خط وکتابت کا بالکل نہیں؛ مگر یہ کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے جو مدرسہ سے تعلق رکھتی ہیں یا اور کوئی خاص مجبوری ہو تو لکھنے پڑتے ہیں؛ لیکن اس ضابطہ میں ایک استثناء ہمیشہ سے رہا، وہ یہ کہ اکابر کی خدمت میں ایک دو خط اس تشریح کے ساتھ کہ ''اس کے جواب کی ہرگز ضرورت نہیں صرف دعا کی یاد دہانی ہے''۔ لکھنے کا ہمیشہ سے رہا۔ اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے متعدد خطوط باوجود میرے اس لکھنے کے کہ ''جواب کی ضرورت نہیں'' اور باوجود اس اہتمام کے اعلیٰ حضرت رائے پوری اوّل اور حضرت اقدس رائے پوری ثانی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے خطوط میرے انبار میں متعدد موجود ہیں اور حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کا تو یہ بھی اہتمام تھا کہ حضرت اقدس باوجود اپنے مشاغل اور ماہِ مبارک کے اہتمام کے ایک دو کارڈ ماہِ مبارک میں اگر میں نہ لکھوں، تب بھی حضرت اقدس شیخ الاسلام قدس سرہٗ تحریر فرمایا کرتے تھے، عموماً اس میں ایک یا دو شعر ہوا کرتے تھے۔ یہ سارے کارڈ کہیں محفوظ ہیں، اور وہ اشعار اتنے اونچے ہوتے تھے کہ یہ ناکارہ ان کا مصداق نہیں بن سکتا۔ مگر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ

کے تعلق کے اظہار اور شفقت کو یاد کر کے رونے کے سوا اب کچھ نہیں رہا۔ ایک کارڈ کا مضمون جو حضرت نے متعدد رمضانوں میں لکھا تھا، یہ تھا: ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ایک ماہِ مبارک کے کارڈ کا شعر یہ تھا ؎

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے ابرِ کرم، بحرِ سخا، کچھ تو اِدھر بھی

مجھے یہ شعر اسی طرح یاد ہے، کارڈ سامنے نہیں۔ بعض خطوط میں عربی کے اشعار بھی تحریر فرمائے۔ اسی طرح اس سیہ کار کا بھی معمول ہر ماہِ مبارک میں ایک دو کارڈ حضرت مدنیؒ کو لکھنے کا تھا، اس میں بھی ایک دو شعر ہوا کرتے تھے۔ یہ دونوں شعر مجھے بھی اپنے مختلف کارڈوں پر رمضان میں لکھنا بہت یاد ہے؛ چونکہ حضرت قدس سرہٗ کا اہتمام اور معمول مجھے معلوم تھا؛ اس لیے حضرت کی روانگی کے بعد جہاں کہیں بھی حضرت قدس سرہٗ کا رمضان گزرتا، میں انتیس شعبان یا یکم رمضان کو کارڈ لکھ دیتا؛ تاکہ میرا کارڈ جوابی نہ بنے؛ بلکہ ابتدائی درخواست بنے۔ (ص:۶۵۸،۶۵۹)

مجاہدات

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سیّد حسین احمد صاحب المدنی نور اللہ مرقدہٗ کے مجاہدات کے لیے تو بڑے دفتر چاہئیں۔ یہ تو میرا متعدد اکابر سے سنا ہوا ہے کہ جب مدینہ پاک میں ذکر و شغل کی ابتداء کی تو مدینہ پاک سے باہر ایک مسجد اجابت تھی جو اَب تو شہر کے اندر آگئی اور چاروں طرف آبادی بہت بڑھ گئی۔ اس وقت ویرانہ میں تھی۔ حضرتؒ وہاں بیٹھ کر اس زور و شور سے ضربیں لگایا کرتے تھے کہ دُور تک

آواز جایا کرتی تھی اور بعض مرتبہ جوشِ عشق میں ضربیں لگاتے لگاتے اُٹھ کر مسجد کی دیواروں میں سر دے کر مارا کرتے تھے۔ یہ گستاخ بعض مواقع پر حضرت سے عرض بھی کر دیتا تھا کہ آپ کی دماغی قوت کا کون مقابلہ کرسکتا ہے، جس کا سر دیواروں پر مارنے سے بھی نہ پھوٹا۔ حضرت نے کبھی اس کی تردید تو فرمائی نہیں؛ مگر ایسا گہرا سکوت فرماتے تھے کہ یہ گستاخ کہہ کر خود ہی پشیمان ہوتا تھا۔ حجاز سے واپسی اور صبح کو چھ بجے دیو بند پہونچنا اور اسی وقت سات بجے بخاری شریف کا سبق پڑھا دینا تو مجھے بھی معلوم ہے۔ الیکشن کے ہنگامہ میں ایک مرتبہ جمعرات کی شام کو چار بجے کی گاڑی سے دہلی تشریف لے گئے۔ دس بجے حاجی علی جان مرحوم کی کوٹھی میں کوئی میٹنگ تھی، دو گھنٹے اس میں مشغول رہے وہاں سے فارغ ہو کر رات ہی کو نانوتہ پہنچے۔ صبح کی نماز کے بعد نانوتہ میں جلسہ میں تقریباً دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ وہاں سے فارغ ہو کر سہارنپور ہوتے ہوئے سیدھے سنسار پور تشریف لے گئے وہاں ایک اجتماع میں تقریر فرمائی، جمعہ بہٹ آ کر پڑھا اور جمعہ کے بعد دو گھنٹے وہاں تقریر فرمائی، عصر کے بعد سہارنپور تشریف لائے۔ عشاء کے بعد سہارنپور کے ایک اجتماع میں تقریر فرمائی۔ شنبہ کی صبح کو دیو بند جا کر بخاری شریف کا سبق پڑھا دیا۔ حضرت کے مجاہدات کی تفصیل تو بہت لمبی ہے، اور مجاہدِ اعظم کا لقب حضرت کے لیے حضرت کے مجاہدات کے مقابلہ میں کم ہے؛ البتہ سلہٹ کے ایک رمضان کا واقعہ لکھواتا ہوں جس کو مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی نے ''مولانا مدنی کا قیامِ سلہٹ'' نامی رسالہ میں مفصل تحریر فرمایا ہے۔ (ص:۸۳۹، ۸۴۰)

معمولات رمضان

یہ بہت ہی طویل مضمون اس رسالے کے دس صفحے پر آیا تھا، اسی دوران میں

اکابر کے رمضان کے نام سے مستقل ایک رسالہ لکھنے کی نوبت آ گئی۔ اس میں بھی یہ مضمون بعینہٖ مکرر آ گیا، اگرچہ میرا تو جی چاہتا تھا کہ دونوں رسالوں میں مستقل آجائے؛ مگر میرے بعض دوستوں کی رائے ہوئی کہ ایک ہی مضمون دو جگہ اتنا طویل تکرار ہے مختصر ہوتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا؛ اس لیے یہاں سے لکھوانے کے بعد حذف کر دیا؛ مگر ہے قابلِ دید اور اکابر کے رمضان تو سارے ہی دیکھنے کے قابل ہیں۔ دوستوں کا مشورہ ہے کہ اس مضمون کو خاص طور سے اس میں ضرور دیکھیں، بعد میں مفتی محمود صاحب کی رائے یہ ہوئی کہ دونوں جگہ ہونا ضروری ہے؛ اس لیے باقی رکھا گیا۔ مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی حضرت کے معمولاتِ رمضان کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا کا قیام تو داروغہ عبدالستار صاحب مرحوم کے مکان پر ہوتا تھا اور نئی سڑک کی بڑی مسجد جو قیام گاہ سے تقریباً دو فرلانگ ہے اس میں حضرت پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی میں زائرین معتقدین دُور دراز سے آکر ماہِ مبارک میں فروکش ہوتے تھے؛ چونکہ حضرت قدس سرہٗ کا پورے ماہ کا قیام ہوتا تھا؛ اس لیے نیت اقامت کی ہوتی تھی اور جملہ نمازوں میں حضرت خود ہی امامت فرمایا کرتے تھے اور ظہر کی نماز کے بعد مصلے کے چاروں طرف جو بیسیوں بوتلیں پانی دم کرنے کی رکھی رہتی تھیں (ان پر دم کرتے) اس کے بعد مصلے کے نیچے سے وہ درخواستیں نکالتے جو ظہر کی نماز تک وہاں جمع ہوتی رہتی تھیں اور ان کو ہر ایک کو پڑھ کر صاحبِ درخواست کو بلا کر اس کی درخواست پوری فرماتے، تعویذ وغیرہ لکھتے۔ جس میں بیعت کی درخواست ہوتی، ان سب کو ایک کونے میں جمع کرتے، ان درخواستوں سے فارغ ہونے کے بعد بیعت ہونے والے حضرات کو بیعت کرتے، پھر کچھ ارشاد ونصیحت کے بعد دولت خانہ پر تشریف لے جاتے، جانے کے ساتھ کبھی ذرا سا لیٹ گئے؛ ورنہ تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ ڈاک کا کام اگر باقی رہ گیا تو اس کو پورا کیا،

اسی درمیان میں خصوصی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ اتنے میں عصر کی اذان ہوجاتی، حضرت ضروریات سے فارغ ہوکر نمازِ عصر کے لیے تشریف لے جاتے۔ نمازِ عصر سے فارغ ہونے کے بعد مولانا حافظ محمد جلیل صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے ساتھ سوا پارے کا دَور فرماتے، اس طرح پر کہ پاؤ پارہ حضرت پڑھتے اور پھر وہی پارہ حضرت مولانا محمد جلیل صاحب پڑھتے، مغرب تک اسی طرح رہتا، اگر غروب سے پہلے دَور ختم ہوجاتا تو حضرت مراقب ہوتے اور رفقاء اپنے ذکر وشغل میں مشغول رہتے اور معمولی افطار کے بعد جو عموماً کھجور اور زمزم ہوتے اور ناشپاتی، اناناس، عمدہ کیلے، امرود، آم، بصری کھجوریں، ناریل کا پانی، پپیتے، میٹھے اور نمکین چاول بھی ہوجاتے، تلے ہوئے انڈے بھی ہوتے اور عام ہندوستانی افطاری پھلکیاں، چنے وغیرہ سے دسترخوان خالی ہوتے، میں تو سمجھا کہ ان چیزوں کا یہاں رواج نہیں؛ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ رواج تو خوب ہے؛ مگر ان چیزوں کو گھٹیا سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے حضرت کے دسترخوان پر لانا توہین سمجھتے تھے، اس سب کے باوجود حضرت کا افطار بہت ہی مختصر ہوتا۔ اس وقت میں سارے دسترخوان پر چہل پہل اور فرحت وسرور کا دَور ہوتا؛ مگر حضرت نوراللہ مرقدہٗ نہایت استغراق میں ساکت رہتے، افطارگاہ مسجد کے قریب ہی تھا؛ لیکن دَور کے ختم ہونے کے بعد سے جو استغراقی کیفیت ہوتی تو بعض مرتبہ اذان کی بھی اطلاع کرنی پڑتی۔

(از زکریا، یہ منظر اس ناکارہ نے بھی دیوبند کی حاضری پر بارہا دیکھا کہ لوگ کسی سیاسی مسئلہ پر زور وشور سے بحث ومباحثہ کرتے رہتے اور کسی موقع پر حضرت زور سے فرماتے ''آئیں''، ''آئیں'' اس وقت میں سمجھتا کہ حضرت جی تو یہاں ہیں ہی نہیں)۔

افطار کی ان تنوعات کے باوجود جو اُو پر ذکر کیا گیا، حضرت کا افطار کھجور زمزم کے بعد ایک آدھ قاش کسی پھل کی نوش فرما کر ناریل کا پانی نوش فرماتے اور ایک یا آدھی

پیالی چائے کی نوش فرماتے؛ لیکن دسترخوان کے ختم ہونے تک وہیں تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی کوئی مزاحی وتفریحی فقرہ بھی فرمادیا کرتے۔ آٹھ، دس منٹ اس افطار میں لگ جاتے، اس کے بعد حضرت مغرب کی نماز نہایت مختصر پڑھتے اور اس کے بعد دو رکعت نفل نہایت طویل تقریباً نصف گھنٹہ تک پڑھتے، اس کے بعد حضرت طویل دعا مانگتے جس میں سارے اہلِ مسجد چاہے مشغول ہوں یا فارغ شرکت کرتے۔ اس کے بعد اگر کہیں کھانے کی دعوت ہوتی تو مسجد سے داعی کے مکان پر تشریف لے جاتے؛ ورنہ اپنی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے، کھانے میں دو دسترخوان ہوا کرتے تھے، ایک حضرت اور ان کے رفقاء کا جو روٹی کھانے کے عادی تھے اور دوسرا ان مہمانوں کا جو چاول کھانے والے ہوتے تھے۔ حضرت کے رفقاء میں صاحبزادے مولانا اسعدؔ اور عزیزان ارشد وریحانہ بھی ہوتے، یہ تینوں بھی چاول کھانے والوں میں ہوتے۔ حضرت مزاحاً ارشاد فرمایا کرتے کہ دو بنگالی میرے پاس بھی ہیں، ان کے لیے بھی چاول پکا دیجیے۔ دسترخوان پر مختلف قسم کے چاول کثرت سے ہوتے تھے؛ اس لیے کہ مجمع بنگالیوں کا ہوتا تھا اور وہ چاول کے عادی ہیں، پراٹھے کا دستور ہے؛ مگر سادی چپاتیاں نہ معلوم ہیں، نہ کوئی پکانا جانتا ہے۔ دسترخوان پر گوشت وغیرہ کے علاوہ کسی میٹھی چیز کا ہونا بھی ضروری ہے، حلوے اور شاہی ٹکڑوں کے علاوہ پپیتے اور پیٹھے کی سویّاں اس تکلف سے پکائی جاتیں کہ ادھر کے لوگوں کو اس کی پہچان اور تمیز مشکل ہوتی۔ نیپال کی سبز مرچیں تراش کر دسترخوان پر رکھنا بھی ضروری ہوتا، باوجود اس کے کہ یہ مچھلیوں کا ملک ہے معلوم نہیں کہ مچھلی دسترخوان پر کیوں نہیں ہوتی تھی۔ ایک نئی ترکاری بانس کی لائی گئی تھی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہاں بانسوں میں ایک گوپھا ہوتا ہے اس کی ترکاری پکائی جاتی ہے، حضرت نوراللہ مرقدہٗ کا عمومی دسترخوان دیوبند میں بھی اور یہاں بھی عرب کے قاعدہ کے موافق ایک

بڑے طباق میں ترکاری اور اس کے چاروں طرف حلقہ بنا کر کھانے والے بیٹھتے تھے۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے پاس ایک کپڑے میں گرم چپاتیاں لپٹی رہتی تھیں اور حسبِ ضرورت مہمانوں کو مرحمت فرماتے رہتے تھے، اگر کوئی شخص اپنی رکابی کو بھری ہوئی چھوڑ دیتا تو حضرت اس کو اٹھا کر اپنے دستِ مبارک سے صاف کر دیتے اور دسترخوان پر گرے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو اٹھا کر بے تکلف کھا لیتے تھے، جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی اس کا اہتمام ہو گیا۔ حضرت کا معمول دوزانو بیٹھ کر کھانے کا تھا، ایک چپاتی بائیں ہاتھ میں دبا لیتے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے توڑ کر کھاتے، سب سے اوّل میں افتتاح کرتے اور سب سے آخر میں فارغ ہوتے۔ کھانے کے بعد سب مہمان چائے پیتے۔

یہ سب تفصیل دعوت کی تھی، اگر کہیں دعوت نہ ہوتی تو حضرت مغرب کی نماز سے فراغ کے بعد سیدھے قیام گاہ پر تشریف لاتے، کھانا پہلے سے تیار ہوتا، تشریف لاتے ہی دو دسترخوان ایک چاول والوں کا اور دوسرا حضرت اور ان کے رفقاء روٹی کھانے والوں کا؛ چونکہ مکان پر کھانے سے جلدی فراغ ہو جاتا؛ اس لیے حضرت کھانے کے بعد چند منٹ بیٹھ جاتے، احباب مختلف گفتگو علمی یا اخباری کرتے رہتے، حضرت بھی اس میں شریک ہوتے، اس کے بعد چند منٹ کے لیے حضرت آرام فرماتے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا مخصوص لہجہ اور ان کی نماز کا خشوع اور خضوع نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب اور حجاز میں بھی ممتاز و مسلم ہے۔ سلہٹ میں حضرتؒ نماز اور تراویح کی امامت خود فرماتے؛ اس لیے تراویح کی شرکت کے لیے دُور دراز سے روزانہ سینکڑوں آدمی آتے اور تراویح و تہجد کی شرکت فرما کر صبح سب اپنے گھر روانہ ہو جاتے۔

(از زکریا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی قراءت اور نمازوں کے متعلق جو لکھا لفظ بلفظ

صحیح ہے، فرائض کی اقتداء تو اس ناکارہ کو سینکڑوں مرتبہ ہوئی ہوگی؛ لیکن ماہِ رمضان میں حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔ البتہ تراویح میں دومرتبہ اقتداء کی نوبت آئی۔ پہلی مرتبہ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں جبکہ حضرت مدنی قدس سرہٗ الٰہ آباد جیل سے رہا ہوکر چودہ رمضان یک شنبہ کی صبح کو سہارن پور پہنچے اور اسی وقت دوسری گاڑی سے دیوبند روانہ ہوگئے اور ایک شب دیوبند قیام کے بعد دوشنبہ کی دوپہر کو بارہ بجے دہلی تشریف لے گئے؛ چونکہ اس سال اکیس رجب کی صبح کو چچاجان کا انتقال ہوگیا تھا؛ اس لیے حضرت قدس سرہٗ دہلی پہونچنے کے بعد مغرب کے بعد نظام الدین بسلسلۂ تعزیت تشریف لے گئے، تراویح کے وقت حضرت نے فرمایا جو امام تراویح ہے، وہ تراویح پڑھائے۔ میں نے عرض کیا کہ کس کی ہمت ہے کہ آپ کے سامنے تراویح پڑھا سکے، آج تو آپ ہی کو پڑھانی ہے۔ تھوڑی سی ردوقدح کے بعد حضرت نے منظور فرمالیا اور اس شب کی تراویح کی امامت حضرت نے نظام الدین میں فرمائی اور اپنی تراویح کا قرآن جو پہلے سے شروع ہوا ہوا تھا اس میں پارہ ۱۴ کے نصف سے سورۂ بنی اسرائیل کے ختم تک ایک پارہ بیس رکعت میں ایسے اطمینان سے پڑھا کہ لطف آ گیا، دوسری مرتبہ دوسرے ہی سال رمضان ۶۴ھ کی پہلی تراویح حضرت نے سہارنپور کے اسٹیشن پر پڑھائی کہ ۲۹؍شعبان کی شب میں صبح کو چار بجے بخاری شریف ختم ہوئی اور اسی دن شام کو مع اہل وعیال لاری سے دیوبند سے روانہ ہوکر سہارنپور پہونچے اور بارہ بجے کے قریب سہارنپور کے اسٹیشن پر بہت بڑی جماعت کے ساتھ تراویح پڑھی، اہلِ مدرسہ واہلِ شہر کی بڑی جماعت جو اپنے اپنے یہاں سے تراویح پڑھ کر اسٹیشن پر پہونچتے رہے اور بہ نیت نفل شریک ہوتے رہے، زکریا کو حضرت نے حکم فرمایا کہ میرے قریب کھڑے ہو، سامع تمھیں بننا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو لقمہ دینا

آسان تھوڑا ہی ہے۔ مجمع میں حافظ بہت ہیں، اچھے سے حافظ کو لاؤں، حضرت نے قبول نہیں فرمایا اور اس شب کے استماع کا فخر اس سیہ کار کو حاصل ہوا۔ فقط)

مولوی عبدالحمید صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ مجمع دُور دُور سے آتا تھا اذان کے بعد ہی مسجد پُر ہو جاتی تھی، بعد میں آنے والوں کو جگہ بھی نہیں ملتی تھی، حضرت کے تشریف لے جانے کے لیے درمیان میں تھوڑی سی جگہ خالی رکھی جاتی، مسجد میں تشریف لاتے وقت متولی مسجد پانی کا گلاس پہلے سے بھر کر انتظار میں کھڑے ہوتے کہ حضرت مکان سے چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد ایک پان کھا کر موٹر میں تشریف فرما ہوتے اور کلّی کر کے سیدھے مصلے پر پہونچتے تھے، کثرتِ ہجوم کی وجہ سے ایک دو مکبّر تو ضروری تھے اور اخیر عشرہ میں کئی کئی مکبّر ہو جاتے تھے۔ تراویح میں ڈھائی پارے قرآن پاک کے اس طرح پڑھتے کہ اوّل چار رکعتوں میں مولوی جلیل سوا پارہ پڑھتے اور اسی سوا پارہ کو سولہ رکعتوں میں حضرت قدس سرہٗ پڑھتے، ترویحہ بہت لمبا ہوتا۔ حضرت پر تراویح میں قرآنِ پاک پڑھتے ہوئے بعض وقت ایک جوش پیدا ہوتا کہ اس وقت کی لذت تو سننے والے ہی کو معلوم ہے۔ تراویح کے بعد بہت طویل دعا ہوتی جس میں حاضرین پر گریہ وبکاء کا ایسا زور ہوتا کہ بسا اوقات ساری مسجد گونج جاتی۔ تراویح کے بعد حضرت اپنے رفقاء اور خدام کے ساتھ وہیں چائے نوش فرماتے اور تقریباً دس منٹ بعد حضرت قدس سرہٗ وعظ کے لیے کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی اپنی مساجد سے تراویح پڑھنے کے بعد حضرت کے وعظ میں شرکت کے لیے مسجد میں آجاتے اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی؛ بلکہ لوگ مسجد سے باہر سڑکوں پر کھڑے ہوتے، وہاں آواز نہیں پہونچتی تھی؛ اس لیے آلہ مکبّر الصوت کا انتظام کیا گیا، اور اس وقت میں وعظ میں شرکت کرنے والوں کو جن کی ہزاروں کی تعداد ہوتی تھی چائے بھی خاموشی سے ملتی رہتی؛ مگر اس میں آواز بالکل نہ ہوتی تھی،

اور نہ کوئی ایسا شخص ہوتا تھا جس کو چائے نہ ملی ہو، اتنے حضرت نوراللہ مرقدہٗ اپنی چائے سے فراغت پاتے اتنے مجمع بھی چائے سے فارغ ہوجاتا، یہ وعظ بالکل اصلاحی ہوتا تھا، سیاسیات پر کوئی کلام طویل نہ ہوتا، ایک آدھ لفظ بیچ میں چاشنی کے طور پر آجاتا تھا (لارڈ میکالے اور ڈبلو ڈبلو ہنٹر تو حضرت قدس سرہٗ کے وردِ زبان تھے) حضرت کے وعظ میں پرچہ بھی پہونچتا رہتا اور حضرت اس کو سن کر اس کا جواب بھی تفصیل سے دیتے، جب وسط رمضان کے بعد سے حضرت قدس سرہٗ کی طبیعت ناساز ہوگئی تو دوسرے لوگ وعظ کرتے رہے؛ لیکن حضرت قدس سرہٗ باوجود ناسازی طبع کے جب تک وعظ ختم نہ ہوتا وعظ میں تشریف فرما ہوتے۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ بعد وعظ ختم ہوکر مصافحہ کا نمبر شروع ہوتا، باوجود انتظامات کے کار تک پہونچنے میں دیر لگ جاتی، مکان پر تشریف لانے کے بعد ہلکا سا ناشتہ پیش ہوتا جس میں جملہ حاضرین شرکت کرتے۔ ڈیڑھ بجے رات کو یہ مجلس ختم ہوجاتی، اس کے بعد حضرت اپنے حجرہ میں تشریف لاتے، اس میں بھی بعض مخصوص حضرات سے تخلیہ میں بات کرتے، اس کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ حضرت آرام فرماتے اور پھر تہجد کے لیے بیدار ہوجاتے۔

(از زکریا، اس کا اس ناکارہ کو بھی بہت ہی کثرت سے تجربہ ہوا ہے کہ میرے حضرت مرشدی سہارنپوری اور حضرت مدنی نوراللہ مرقدہما کی نیند اس قدر قابو کی تھی کہ جب سونے کا ارادہ فرماتے، لیٹتے ہی آنکھ لگ جاتی اور جب اٹھنے کا ارادہ ہوتا بغیر کسی الارم یا جگانے والے کے خود بخود آنکھ کھل جاتی۔ میں ان دونوں اکابر کے متعلق آپ بیتی میں کہیں لکھوا بھی چکا ہوں کہ حضرت مرشدی جب اسٹیشن پر تشریف لے جاتے اور معلوم ہوجاتا کہ گاڑی دس منٹ لیٹ ہے تو حضرت فرماتے کہ دس منٹ میں ایک نیند لی جاسکتی ہے اور وہیں بستر کھلوا کر آرام فرماتے اور دس منٹ بعد خود بخود اُٹھ جاتے۔ اور حضرت شیخ الاسلام کے متعلق سینکڑوں دفعہ یہ بات دیکھنے کی نوبت آئی

کہ میرے مکان پر تشریف لاتے، آرام فرماتے اور گاڑی چھوٹنے سے آدھ گھنٹہ پہلے اپنے آپ اُٹھ جاتے۔ میں نے بہت دفعہ کوشش کی کہ آنکھ نہ کھلے، کوئی آہٹ نہ ہو؛ مگر آدھ گھنٹہ پہلے اُٹھ کر فوراً اسٹیشن کے لیے روانہ ہوجاتے، فقط)

اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں تہجد کے لیے تشریف لے جاتے جو لوگ تہجد کی شرکت کے لیے دُور دُور سے آتے وہ سب حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے پہنچنے سے پہلے؛ ورنہ پہلی رکعت میں ضرور شریک ہوجاتے۔ تہجد میں دو قرآن کا معمول تھا ایک حضرت نور اللہ مرقدہٗ پڑھتے دوسرا مولانا محمد جلیل صاحب حضرت تہجد کے لیے تشریف لے جاتے وقت بہت اہتمام کرتے کہ آہٹ نہ ہو، اور کسی کی آنکھ نہ کھلے؛ مگر لوگ فرطِ شوق میں جاگ ہی جاتے تھے، نفلوں کے بعد چوں کہ سحری کا وقت بہت کم رہ جاتا؛ اس لیے فوراً اسی وقت مکان پر سحری کا دسترخوان بچھ جاتا اور وقت کی تنگی کی وجہ سے جلدی جلدی اُنگلیاں اور منہ کھانے میں مشغول اور آنکھیں گھڑی پر اور کان مؤذن کی آواز پر ہمہ تن متوجہ رہتے۔ اور حضرت سحری سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جاتے اور پھر معاً نماز کی تیاری کرتے مسجد تشریف لے جاتے اور اسفار میں نماز ہوتی؛ لیکن اخیر عشرہ میں اعتکاف کے زمانہ میں غلس میں شروع ہوتی اور اسفار تام میں ختم ہوتی۔ واپس جانے والے حضرات الوداعی مصافحے کرتے اور حضرت اپنے قیام گاہ پر تشریف لاتے اور فوراً لیٹ جاتے۔ ایک دو خادم بدن دباتے اور سر مبارک پر تیل ملا جاتا اور حضرت بعض مرتبہ باتیں کرتے کرتے ہی سو جاتے، رفقاء بھی سب سو جاتے۔ حضرت تھوڑی دیر آرام کے بعد وضو، استنجاء سے فارغ ہونے کے بعد تلاوتِ قرآن شریف میں مشغول ہوجاتے اور دس بجے سے ان لوگوں کی آمد شروع ہوجاتی، جن کو تخلیہ کا وقت دے رکھا تھا؛ لیکن اس درمیان میں بھی اگر کچھ وقت ملتا تو حضرت قدس سرہٗ تلاوت میں مصروف ہوجاتے اور اسی وقت میں ڈاک بھی تحریر فرماتے، اس سال چونکہ ڈاک کی ہڑتال تھی؛

اس لیے دس رمضان تک تو ڈاک کا سلسلہ بند رہا اور گزشتہ ڈاک جو ساتھ تھی اس کی تکمیل فرماتے رہتے؛ لیکن دس رمضان کے بعد ڈاک جب شروع ہوگئی تو اس کا انبار لگ گیا تو اس میں بہت وقت خرچ ہونے لگا، اسی درمیان میں جن لوگوں کو کچھ خصوصی بات کرنی ہوتی وہ بھی آتے جاتے، یہ سلسلہ کبھی کبھی تو ظہر تک چلتا اور اگر کبھی وقت مل جاتا تو ظہر سے پہلے آدھ گھنٹہ آرام فرما لیتے، اس سال حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی طبیعت بہت ناساز رہی اور وسطِ رمضان سے بخار وغیرہ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا؛ اس لیے بعض خدام نے اعتکاف کے متعلق استمزاج کیا کہ اعتکاف میں دقت زیادہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، اعتکاف کی نیت کرلی ہے؛ چنانچہ مسجد کے ایک کونہ میں حضرت کا معتکف بنادیا گیا؛ لیکن بخار کی شدت کی وجہ سے بسا اوقات دورانِ نماز میں سردی لگ جاتی۔ حضرت چادر اوڑھ لیتے، برقی پنکھے بند کردیے جاتے اور بعض مرتبہ چائے پی کر اسی طرح نماز میں مشغول ہوجاتے۔ اسی طرح بخار ہی کی حالت میں تہجد میں طویل قیام اور لمبی قراءت کرنا پڑتی؛ کیونکہ قیام گاہ پر حضرت کی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے چار راتوں میں تہجد کی نماز باجماعت نہیں ہوسکی تھی؛ اس لیے قرآن ختم ہونے کو کافی باقی رہ گیا تھا، اس کمی کو اس عشرہ میں پورا کرنا ضروری تھا، اس پر مزید یہ کہ مسجد میں قیام اور لوگوں کے ہجوم واژدہام کے باعث رات کے نصف گھنٹے کا وہ سکون اور خاموشی بھی یہاں میسر نہیں تھی جو قیام گاہ پر حاصل تھی؛ اس لیے مشاغل کی زیادتی کے ساتھ آرام کا بھی کوئی خاص موقع نہیں۔
اخیر عشرہ میں ہجوم بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ مسجد سے باہر سڑکوں پر بھی آدمی رہتے تھے، جس کی وجہ سے ظہر کے بعد کی درخواستوں میں بھی کافی اضافہ ہوگیا تھا۔ اسی طرح سے بیعت ہونے والوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی۔ اور مخصوص طالبین، سالکین جن کو اپنے مخصوص حالات سنا کر ہدایات لینی تھیں، ان کی تعداد تو بہت ہی بڑھ گئی تھی، حتیٰ کہ ان کے لیے نمبروار باری مقرر کرنی پڑگئی۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر جانے والوں کے

مصافحوں کی بہت کثرت ہوتی۔اس سے فارغ ہوکر حضرت اپنے معتکف میں تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد جبکہ رات کا جاگا ہوا سارا مجمع گہری نیند سویا ہوا ہوتا،حضرت اُٹھ کر نہایت آہستہ آہستہ قدم بچا کر استنجاء تشریف لے جاتے اور وضو فرما کر اپنے معمولات میں مشغول ہوجاتے،شبِ قدر کے متوالے ۲۶ر کی صبح ہی سے مسجد میں آنے شروع ہوجاتے اور ہجوم بڑھتا رہتا؛اس لیے کہ عوام میں شبِ قدر کے متعلق مشہور یہی ہے کہ وہ ۲۷ر کو ہوتی ہے؛اس لیے مسجد کے آس پاس کی جگہ بھی کھچا کھچ بھر گئی۔ظہر کے بعد کی درخواستوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ حد نہیں اور رات کو دم کرنے والی بوتلوں کا ہجوم حضرت کے مصلّے کے چاروں طرف پھیل گیا اور جب تہجد کے بعد حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا،تو ساری مسجد رونے سے گونج گئی اور خود حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے اوپر جس کیف وسرور کی حالت دیکھی وہ بیان سے باہر ہے۔شبِ قدر کی تعیین میں حضرت کی مجلس میں مختلف گفتگوئیں شروع ہوئیں۔راقم الحروف (مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی) نے کہا کہ اہل اللہ کو تو شبِ قدر کے کوائف سارے معلوم ہوجاتے ہیں۔معلوم نہیں اس سال اخیر راتوں میں سے کونسی رات میں شبِ قدر تھی، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس سال شبِ قدر تیئیسویں شب میں تھی۔ تیسویں رمضان چہار شنبہ کو عید کا چاند دیکھنے کے بعد حضرت شیخ مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر قیام گاہ پر تشریف لے گئے،اس شب میں بھی تہجد کی نماز جماعت سے ہوئی اور حضرت نے اس قدر طویل قیام فرمایا کہ سارے رمضان میں کسی رات میں اتنا طویل قیام تہجد میں نہیں فرمایا ہوگا۔صبح کو ٹھیک ساڑھے نو بجے حضرت نے اسی مسجد میں عید کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد عربی زبان میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ اصل کتاب میں موجود ہے۔(ص:۸۴۰ تا ۸۴۹)

مدینہ پاک کے ابتدائی حالات

حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ خودنوشت سوانح میں اپنے مدینہ پاک کے ابتدائی حالات میں جو تفصیل سے تحریر فرمائے گئے ہیں، لکھتے ہیں کہ وطن سے یعنی ہندوستان سے مدینہ پاک آ کر ہم لوگوں کو بھی بہت سی مشکلات پیش آئیں، بالخصوص عورتوں کو، وطن اور اہل وعیال کی جدائی تو تھی ہی، بہت سے کام ایسے کرنے پڑے جن کی بچپن میں کبھی نوبت نہیں آئی تھی، مثلاً آٹا بھی خود ہی پیسنا پڑا، گھر میں جھاڑو دینا، برتنوں کو دھونا، والدہ صاحبہ باوجود ضعف وپیری بہت زیادہ جفاکش اور عالی ہمت تھیں، اپنی ہر بہو کی آٹا پیسنے کی باری مقرر کر رکھی تھی؛ مگر خود بھی ہر بہو کے ساتھ چکی پیسنے میں اور گھر کے کاروبار میں شریک رہتیں، گھر والوں کے اور بچوں کے اور مَردوں کے کپڑے بھی سب کو خود ہی دھونے پڑتے تھے، جس کی وطن میں کبھی نوبت نہیں آئی تھی، ہم مَردوں کو بالخصوص مجھے اور بھائی سیّد احمد صاحب مرحوم کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر میٹھا پانی لانا پڑتا تھا کہ دن میں مشغولی کی وجہ سے وقت نہیں ملتا تھا۔ ۱۳۱۸ھ میں مجھے اور بھائی صدیق احمد صاحب مرحوم کو ہندوستان کا سفر پیش آیا۔ بھائی سیّد احمد مرحوم کی تنخواہ صرف بیس روپیے ماہوار تھی، والد صاحب مرحوم نے بمجبوری ایک مخلص سے پچاس روپیے قرض لیے، جس سے چاول خریدے۔ ایک وقت میں کھچڑی اور دوسرے وقت میں پیچ پر سارے گھر والوں کا گزر تھا (چاولوں کو بہت سے پانی میں اُبال کر اس کا پانی جو گاڑھا گاڑھا ہوتا ہے اس کو پیچ کہتے ہیں) یہ سلسلہ کئی ماہ تک مسلسل رہا اور یہ چند ماہ گھر والوں پر بہت ہی عسرت سے گزرے؛ لیکن الحمدللہ فاقوں کی نوبت کسی کو نہیں آئی۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی دہلوی اور حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی دہلوی قدس اللہ اسرارہما اور ان کے خاندان والوں پر عرصہ تک فاقوں کی نوبت آتی رہی۔ (نقشِ حیات: ۶۱/۱) (ص: ۸۷۴)

فقر اختیاری

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا ابتدائی دَور کلکتہ کے قیام کا اور دیوبند کے قیام کا بھی بہت تنگی کا گزرا، باوجود وسیع تنخواہ کے مہمانوں کی کثرت اور فیاضیوں کا زور اکثر مقروض ہی بنائے رکھتا تھا۔ ایک چیز تو میرے ساتھ بہت ہی کثرت سے دیوبند کے ابتدائی قیام میں پیش آئی کہ بیسیوں مرتبہ؛ بلکہ اگر سینکڑوں بھی کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا، دیوبند سے کلکتہ، لکھنؤ، شادرہ وغیرہ تشریف لے جاتے ہوئے سہارنپور دیوبند سے آکر صرف اس لیے اُترتے تھے کہ حضرت جی کے پاس آگے کا کرایہ نہیں ہوتا تھا اور آتے ہی فرمادیتے تھے کہ فلاں جگہ جانا ہے، کرایہ نہیں ہے۔ (ص: ۸۷۴، ۸۷۵)

حلم وبردباری

میرے حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ بھی اس نوع کا ایک واقعہ پیش آچکا، لیگ کانفریس کے ہنگامہ میں بہت سے نالائقوں نے اخباروں میں حضرت قدس سرہٗ کی سیادت (سیّد ہونے) سے انکار کیا، اخباروں میں تو جھوٹ سچ، گالی گلوچ ہوتی ہی رہتی ہے؛ مگر کسی احمق نے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو درسِ بخاری میں اسی مضمون کا پرچہ دے دیا کہ اخبارات میں یہ شائع ہورہا ہے، حضرت نے سبق کے دوران ہی میں نہایت متانت سے فرمایا کہ میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی تک ٹانڈہ اور فیض آباد وغیرہ کے نواح میں موجود ہیں، جس کا دل چاہے وہاں جاکر تحقیق کرلے، اور سبق شروع کرادیا۔ (ص: ۸۲۸، ۸۲۹)

حضرت مدنی نے مجھے بخیل کا لقب دیدیا تھا

یہ مضمون لکھواتے وقت جو پہلے سے چل رہا تھا ایک خاص واقعہ کی وجہ سے ایک بُری عادت کی طرف اور ذہن منتقل ہوا جو بہت ہی قدیم اور اس ناکارہ کے بخل کا ثمرہ ہے، ان ہی حرکتوں کی وجہ سے میرے حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ اور ان کے بڑے بھائی مولانا سیّد احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بخیل کا لقب دے دیا تھا جو بالکل صحیح ہے، وہ بُری عادت یہ ہے کہ میرے دوستوں میں سے بالخصوص جو مجھ سے بیعت کا تعلق بھی رکھتے ہوں، اور خصوصی تعلق بھی رکھتے ہوں ان کا کسی کی چیز کو بغیر اجازت لے لینا اور کھالینا بہت ہی ناگوار ہے، بالخصوص جب میری کوئی چیز اٹھائے یا کھائے۔ نفسِ امارہ یہ توجیہ دل میں ڈالتا ہے کہ جب یہ لوگ بیعت کے وقت میں مجھ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ پرایہ مال بے اجازت نہیں کھاؤں گا اور پھر میرے ہی مال میں کوئی تصرف بلا اجازت کرتے ہیں تو بہت گراں ہوتا ہے، اگرچہ اس کا کوئی مطالبہ دنیا یا آخرت میں میرا ان سے نہیں ہے؛ مگر میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب میرے ساتھ یہ بے التفاتی ہے تو دوسروں کے ساتھ کیا ہوگا۔(ص:۱۰۷۸)

میزبانی کے سلسلے میں حضرت مدنی کا طرزِ عمل

حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے یہاں اس کا بہت اہتمام تھا کہ اگر خصوصی مہمانوں کے لیے کوئی چیز پکے تو سارے مہمانوں کے لیے ہو؛ ورنہ ان خصوصی مہمانوں کو علیحدہ کمرے میں کھلایا جاتا تھا؛ مگر میرے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے یہاں بارہا اس کی نوبت اس سیہ کار کو پیش آئی کہ کوئی خاص چیز دسترخوان پر آئی تو حضرت نے دوسروں کا حصہ بھی میں سیہ کار کے پاس رکھوا دیا۔ اس گستاخ نے کئی دفعہ

بے ادبی سے سختی سے انکار بھی کر دیا؛ مگر حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ یہ مخصوص نہیں ہوا جب ان کے پاس رکھا جائے گا جب ان کا ہوگا؛ چونکہ جوانی میں اس سیہ کار کو گوشت اور مرچوں کا بڑا شوق تھا، جواب بالکل متروک ہوگیا، تو حضرت نور اللہ مرقدہٗ ایسی چیزوں میں خاص طور سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس کے پاس رکھ دو۔ (ص:۱۰۹۱)

علالت و وفات کی تفصیل

میرے اکابر میں جن حوادث سے اس ناکارہ کو سابقہ پڑا، انھیں اہم ترین حوادث میں حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا حادثۂ وصال ہے۔ حضرت کی طبیعت ناساز تو آخری رمضان ۷۶ھ میں بانس کنڈی (کچھاڑ) میں ہی ہوگئی تھی کہ حضرت نے یہ رمضان اور اس سے پہلا رمضان بانس کنڈی ہی میں گزارا تھا، ۴؍رمضان کی شب میں شدت سے بخار ہوا، اس کے باوجود افطار نہیں فرمایا، ۲۶؍شوال کو واپسی کی اطلاع تھی، علالت کا سلسلہ چلتا رہا۔ ۲۲؍شوال کو بیس مرتبہ اسہال ہوا، اس واسطے عین وقت پر التواء ہوا، دیوبند کے حضرات بھی استقبال کے لیے سہارن پور تک تشریف لائے اور واپس ہوئے، ۲؍ذی قعدہ شنبہ کو حضرت قدس سرہٗ تشریف لائے، بندہ اپنی عادت کے موافق اسٹیشن پر حاضر ہوا اور چونکہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی اور اس کی اطلاعات سُنی جا رہی تھیں؛ اس لیے بندہ اپنی عادت کے موافق جو حضرت اقدس رائے پوری کے ہر سفر میں پیش آتی تھی لکڑی لے کر اسٹیشن کی مسجد کے اندر دروازہ پر کھڑا ہوگیا، مسجد مجمع سے لبریز تھی، بندہ نے اعلان کیا کہ جو مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے گا لکڑی ہاتھ پر ماروں گا، حضرت قدس سرہٗ ضعف کی وجہ سے نہایت ہی آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت نے تشریف آوری کے بعد زکریا سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، زکریا نے دونوں ہاتھ پیچھے کر لیے کہ میں ان

لوگوں پر شدت کر رہا ہوں، یہ کیا کہیں گے۔ حضرت نے اس ناکارہ کا ہاتھ کھینچ کر مصافحہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج کل کے مولویوں کا یہی کام ہے کہ دوسروں کو منع کرتے ہیں اور خود کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد لاری سے دیوبند تشریف لے گئے اور باوجود علالت کے طویل وعریض اسفار اپنی عالی ہمتی سے فرماتے رہے۔ میری بچی (حکیم الیاس صاحب کی اہلیہ) کی علالت کی اطلاع سنی تو دفعتاً بلا اطلاع بڑی صاحبزادی سلمہا کے ساتھ ۲۸/ذی قعدہ پنجشنبہ کو بعد مغرب تشریف لائے اور جمعہ کی شام کو واپس تشریف لے گئے۔ اسی حالت میں مدراس، بنگلور، میسور کا طویل دورہ ۱۵/ذی الحجہ کو دیوبند سے بذریعہ کار دہلی اور اگلے دن صبح کو بذریعہ طیارہ دہلی سے شروع ہوا اور ۴/محرم ۷۷ھ کو دہلی بذریعہ طیارہ اور اگلے دن دیوبند پہنچے۔ دورہ تو یہ بہت طویل تھا؛ لیکن علالت کی شدت کی وجہ سے مختصر کرنا پڑا کہ چند قدم چلنے سے اور معمولی تقریر سے تنفس کی شدت ہوجاتی تھی۔ حکیم اسماعیل دہلوی نے مدراس سے واپسی پر بلغم تجویز کیا تھا اور اس کا نسخہ استعمال کیا گیا؛ مگر فائدہ نہ ہوا۔ دیوبند کے ڈاکٹر نے قلب کا پھیلاؤ تجویز کیا اور ضروری قرار دیا کہ سہارن پور کے سِول سرجن کو جلد دکھلایا جائے۔ جمعرات ۱۱/محرم ۷۷ھ کو رائے پور کا سفر تجویز تھا، تو تکرارِ سفر سے بچنے کے لیے معائنہ بھی اسی سفر میں طے ہوا؛ چنانچہ جمعرات کی شام کو ۴/بجے سہارنپور پہنچے اور ہسپتال میں سِول سرجن نے ایکسرے اور معائنہ کیا اور دیوبند کے ڈاکٹر کی موافقت کی، اس کے بعد رائے پور تشریف لے گئے، رات کو ساڑھے دس بجے رائے پور تھے؛ مگر کسی نے اطلاع کردی، صبح کو عین واپسی کے وقت بھائی الطاف کے معمولی اصرار پر قیام فرمایا اور زکریا سے فرمایا کہ مجھے مقدمہ لامع کی تاخیر سے بہت ندامت ہورہی ہے۔ اس ناکارہ کی اوجز اور لامع اور کوکب کے مقدمہ کی تمہید تینوں حضرت اقدس قدس سرہٗ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ مقدمہ حضرت

کے پاس چند ماہ سے رکھا ہوا تھا؛ مگر لکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔اس پر حضرت نے فرمایا تھا،اور فرمایا کہ دیوبند سے طے کر کے آیا تھا کہ بہٹ یا سہارن پور میں اس کو لکھوں گا، آزاد صاحب کے کمرے میں ۱۱؍ بجے تک لکھا اور پھر جمعہ کی نماز مسجد باغ میں پڑھ کر عصر تک پھر لکھا؛ مگر ضعف کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا، بعد مغرب چل کر شب بہٹ میں گزاری،صبح شنبہ کو وہاں سے چل کر سہارن پور ڈاکٹر برکت علی کو کچے گھر میں دکھایا گیا اور شام کو پانچ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔اس دوران میں یاد ہے دورے پڑتے رہے اور ڈاکٹر برکت علی صاحب دوسرے تیسرے دن جاتے رہے۔ڈاکٹر صاحب کو بہت اہتمام تھا کہ جب وہ جاویں اس ناکارہ کو بھی ساتھ لیتے جاویں اور عزیز مولانا اسعد سلّمہٗ کے قاصد بھی اکثر اس ناکارہ کے پاس آتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کو لے کر آجاؤ۔ ۱۹؍صفر سے حضرتؒ پر نظر کا اثر زیادہ محسوس ہوا کہ ہر کھانے پینے کی چیز سے امتلاء سحر کا اثر تو تقریباً سال بھر سے محسوس کیا جارہا تھا اور اس کے ازالے کی تدابیر بھی ہورہی تھیں،قلبی دَورے کے بار بار اعادہ کی وجہ سے یکم ربیع الاوّل پنج شنبہ کو ڈاکٹر برکت علی مرحوم کے اصرار پر یہ تجویز ہوا کہ دہلی میں قلبی امراض کے ماہر ڈاکٹر کے شفاخانے میں داخل کیا جائے۔مولوی اسعد سلّمہٗ نے دہلی ٹیلیفون کے ذریعے سے جمعیۃ کی وساطت سے سارے انتظامات مکمل کرلیے اور اتوار کی صبح کو بذریعہ کار جانا بھی طے ہوگیا؛ لیکن جمعہ کی شام کو حکیم عبدالجلیل صاحب نے آکر عزیز مولوی اسعد سلّمہٗ سے باصرار دہلی کا سفر ملتوی کرایا کہ حضرت میں سفر کا تحمل بالکل نہیں۔ڈاکٹر برکت علی نے سفر سے پہلے اور سفر کے دوران کی دوائیں بھی دے دی تھیں؛ لیکن عدم تحمل کی وجہ سے اور سب لوگوں کے مشورہ کی وجہ سے ۴؍ربیع الاوّل سے، پھر حکیم عبدالجلیل کا علاج شروع ہوگیا اور دہلی سے حکیم عبدالحمید صاحب اور بریلی سے حکیم محمد صدیق صاحب کو بلانے کے تار دیے گئے؛ مگر حکیم عبدالحمید

صاحب پاکستان جارہے تھے؛ البتہ حکیم محمد صدیق صاحب پہنچ گئے، ربیع الثانی کے آخری ہفتے میں تنفس کی شکایت شدت سے بڑھ گئی، باوجود نیند کے غلبہ کے جس کروٹ بھی لیٹتے، تنفس کا غلبہ بہت شدت سے ہوجاتا۔ یکم جمادی الاولیٰ سے استفراغ کا غلبہ ہوگیا، ہر دوا، غذا قے میں نکل جاتی۔ ۲ر جمادی الاولیٰ دوشنبہ کو پھر ڈاکٹر برکت علی صاحب کو لے کر زکریا حاضر ہوا، ڈاکٹر صاحب نے مایوسی کا اظہار زکریا سے کیا اور نسخہ بھی تجویز کیا۔ حضرت قدس سرہٗ سے زکریا نے تخلیہ میں کہا کہ مولوی حمیدالدین صاحب کا کلکتہ سے خط آیا ہے کہ پہلا اثر سحر کا تو زائل ہوگیا ہے؛ لیکن ساحر نے دوبارہ شدید ترین سحر کیا ہے۔ ۷ر جمادی الاولیٰ شنبہ کو صبح کی نماز کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد زنانہ مکان میں چوکی سے چکرآنے کی وجہ سے گر گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ عمر بھر میں کبھی دورانِ سر نہیں ہوا، اتوار کی صبح کو زکریا ڈاکٹر برکت علی صاحب کو لے کر گیا اور اتوار کے دن سے صحت کی خبریں جمعرات تک آتی رہیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ محمود کا خط شدید تقاضے کا آیا تھا کہ اگر تُو منظور کرے تو میں ہوائی جہاز لے کر دہلی پہنچ جاؤں اور آپ کو میں مع اہل وعیال لے آؤں۔ دونوں حکومتوں سے میں خود نمٹ لوں گا، حضرت نے زکریا سے فرمایا کہ ایک دن تیرا انتظار بھی کیا کہ مشورہ سے جواب لکھوں؛ مگر محمود کے انتظار کی وجہ سے میں نے لکھ دیا، کہ جو دینی وعلمی خدمت یہاں کرسکتا ہوں وہاں نہیں ہوسکتی، زکریا نے عرض کیا حضرت بالکل سچ فرمایا۔

جمعرات تک روزانہ صحت کے اضافے کی خبریں آتی رہیں۔ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۷۷ھ مطابق ۵ر دسمبر ۵۷ء جمعرات کے دن زکریا دارالحدیث میں بخاری کا درس پڑھا رہا تھا کہ عبداللہ مؤذن نے جا کر کہا کہ حضرت مدنی کا انتقال ہوگیا۔ محمود علی خاں کے یہاں ٹیلیفون آیا ہے، زکریا وہاں سے اُٹھ کر سیدھا ریل پر پہنچ گیا کہ گاڑی کا

وقت قریب تھا، بعد میں مولانا اسعد سلّمہٗ کی بھیجی ہوئی کار بھی پہونچی؛ مگر زکریا جاچکا تھا۔ جمعرات کی صبح کو عزیزان مولوی اسعد وارشد سلّمہما کو آپس کے اتحاد ومحبت کی نصیحتیں بھی فرمائیں اور دوپہر کو بلاسہارا کمرہ سے صحن میں کھانا کھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور اہلیہ کو صبر علی المصائب کی تلقین فرماتے رہے۔ پون بجے سونے کے لیے لیٹے تھے، ڈھائی بجے تک خلافِ معمول نماز کے لیے نہ اُٹھنے پر اہلیہ محترمہ دیکھنے گئیں تو برد اطراف پایا، جس پر مولوی اسعد کو آدمی بھیج کر بلایا کہ آج سب بےفکر تھے کہ طبیعت بہت اچھی ہے، ڈاکٹر نے آکر کہا کہ تشریف لے گئے۔ ۹؍بجے شب کے جنازہ کی نماز کا اعلان ہوا؛ لیکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا تار مرادآباد سے پہنچا کہ ہم روانہ ہوچکے، ان کے لینے کے لیے روڑکی کار بھیجی گئی کہ سیدھے آجاویں۔ ½ ۱۲ بجے تک انتظار کے بعد جنازے کی نماز ہوئی۔ وہ حضرات نماز کے بعد پہنچے، ۳؍بجے تدفین عمل میں آئی، تقریباً تیس ہزار کا مجمع بتلایا جاتا ہے، اعلی اللہ مراتبہٗ نوراللہ مرقدہٗ۔ (ص:۲۸۰ تا ۲۸۴)

MAKTABA AL HERMAIN DEOBAND
PIN-247554 U.P. India PH:8979354752